45

لاہور

ندائے خلافت

www.tanzeem.org

ہفت روزہ

29 نومبر تا 5 دسمبر 2011ء / یکم تا 7 محرم الحرام 1433ھ

حضورؐ پر ایمان لانے والوں کا نصب العین

جو شخص آنحضور ﷺ پر ایمان لائے اور اس کا دل اس بات کی تصدیق کرے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' اس کے لیے لازم ہے کہ اب فریضۂ رسالت و نبوت کی ادائیگی میں آپ ﷺ کا رفیق و ناصر بنے۔ اب اسے تکبیرِ ربّ کی کٹھن مہم میں' اقامتِ دین اور غلبۂ دین کی جاں گسل جدوجہد میں' دعوت و تبلیغ کے راہِ خارزار میں' حق و باطل کے معرکۂ کارزار میں اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے میدانِ جنگ و جدال میں رسول اللہ ﷺ کا دست و بازو اور آپؐ کا حامی و مددگار بننا ہوگا۔ جہاں حضور ﷺ کا پسینہ گرے وہاں وہ اپنا خون بہانے کو اپنے لیے باعثِ فخر و سعادت سمجھے۔ اسے حضور ﷺ کے مشن کی تکمیل کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے اور اس بازی میں نقدِ جان کی نذر گزارنے میں فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کا یقین ہو۔ اس کا جینا اور مرنا حضور ﷺ کی دعوت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ہو۔ اس کا مال و منال اور اس کی صلاحیتیں اور توانائیاں اس دینِ حق کے غلبے کے لیے وقف ہوں جو خالقِ کائنات اور ربّ العالمین کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کو دے کر مبعوث فرمایا گیا۔ حضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کا نصب العین اور مقصدِ حیات ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ (الانعام) ہونا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

پسندیدہ ترین ملک؟

فیصلہ کیجیے!

تبدیلی کا راستہ:
انتخابی، عسکری یا کوئی اور؟

نائن الیون کے بعد
ایک تاریخی میٹنگ کی روداد

غزوۂ تبوک: اہل ایمان کا سخت ترین امتحان

ارادے جن کے پختہ ہوں.....

عدم مساوات اور اسلام

ایک اور بل کی منظوری

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

سورۃ یونس

(آیات:94تا98)

ڈاکٹراسراراحمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝٩٤ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝٩٥ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا
یُؤْمِنُوْنَ ۝٩٦ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝٩٧ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِیْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ۗ لَمَّاۤ
اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ ۝٩٨

’’اگر تم کو اس (کتاب کے) بارے میں جو ہم نے تم پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو جو لوگ تم سے پہلے کی (اُتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لو۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ اور نہ ان لوگوں میں ہونا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں، نہیں تو نقصان اُٹھاؤ گے۔ جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پاچکا ہے وہ ایمان نہیں لانے والے، جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔ تو کوئی بستی ایسی نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا۔ ہاں یونسؑ کی قوم کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔‘‘

یہاں بظاہر خطاب حضور ﷺ سے ہے کہ ’’پھر اگر تمہیں کچھ شک ہے اس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپؐ پر نازل کی ......‘‘ مگر حضور ﷺ کے لیے تو اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ آپؐ کو شک ہو۔ حقیقت میں یہ خطاب اہل مکہ سے ہو رہا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن سے کوئی بات کہنی ہوتی ہے، اُن سے اس قدر نفرت ہو چکی ہوتی ہے کہ اُنہیں براہِ راست خطاب کرنا انسان کو پسند نہیں ہوتا، تو پھر وہ بات کسی اور کو مخاطب کر کے کہی جاتی ہے۔ اس خطاب میں اسی طرح کا معاملہ ہے کہ اگر تمہیں اس چیز کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے اس بندے محمدؐ پر نازل کی ہے تو پھر اُن لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپؐ سے پہلے کی کتاب (تورات انجیل) پڑھتے ہیں۔

یہاں پھر خطاب بظاہر حضور ﷺ سے ہے لیکن اصل میں روئے سخن مشرکین عرب کی طرف ہے۔ اور مت ہو جانا ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، ورنہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ یقیناً جن لوگوں پر تیرے رب کی بات واقع ہو چکی ہے، جو قانونِ خداوندی کی زد میں آچکے ہیں، یعنی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے دلوں پر مہر لگوا چکے ہیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے، چاہے کتنی ہی آیتیں آجائیں، کتنی ہی نشانیاں آجائیں۔ وہ ایمان کبھی لانے والے نہیں جب تک کہ عذاب الیم کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ جیسا کہ فرعون کا معاملہ ہوا کہ جب غرق ہونے لگا تب ایمان لایا۔

حضرت یونس علیہ السلام کو نینوا کی طرف بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے قوم کو دعوت دی۔ اُن کے ساتھ معاملہ وہی ہوا جو تمام رسولوں کے ساتھ ہوا ہے۔ قوم نے اُن کی دعوت حق کا انکار کیا اور سرکشی پر اڑے رہے۔ حضرت یونس علیہ السلام یہ خبر دے کر چلے گئے کہ تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آجائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلے جانے کی اجازت نہیں آئی تھی۔ رسول کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ کی طرف سے واضح اجازت نہ آجائے البتہ نبی کا معاملہ مختلف ہے۔ جیسے کہ ہمارے ہاں Executive Officer ہوتے ہیں۔ مثلاً ڈپٹی کمشنر ہے تو وہ بغیر اجازت ضلع کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ ظاہر بات ہے کہ اپنے ضلع کے امن و امان کی ساری ذمہ داری اس کی ہے۔ آپ نے سیرت کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی، مگر خود اللہ کی طرف سے خصوصی اجازت کے انتظار میں تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پوچھتے رہتے تھے۔ اونٹنیاں تیار کی ہوئی تھیں لیکن جب تک اجازت نہیں آئی، آپؐ مکہ سے روانہ نہیں ہوئے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو حمیت دین نے بہت زیادہ ابھارا۔ دینی حمیت اور اللہ کی غیرت بہت اچھی شے ہے، لیکن اس جوش میں اُن سے یہ بات نظر انداز ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی واضح اجازت آئے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جانا۔ چنانچہ چلے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب عذاب کے آثار شروع ہوئے اور قوم نے دیکھا کہ جو بات یونس علیہ السلام نے کہی تھی وہ تو صحیح نکل رہی ہے، تو اس پر پوری قوم نے توبہ کی، اللہ کے حضور گڑگڑا کر معافی چاہی۔ وہ اپنے سب بچوں، عورتوں، مال مویشی اور سامان کو لے کر آبادی سے باہر نکل آئے اور گڑگڑا کر توبہ کی۔ اللہ نے اُن کی توبہ قبول کر لی۔ حالانکہ عذاب کے آثار شروع ہونے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لیکن یہ ایک استثناء ہے۔ یہ استثناء اس لیے دیا گیا کہ اُن کی طرف جو رسول بھیجے گئے تھے وہ اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ چلے گئے تھے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں رسول کے کھاتے میں جو Debit ہوا ہے وہ قوم کے لیے Credit ہو گیا اور تاریخ میں ایک استثناء قائم ہو گیا کہ عذاب کے آثار دیکھ کر قوم نے توبہ کی اور اللہ نے اُن کی توبہ کچھ عرصے کے لیے قبول کر لی اور رسوا کن عذاب کو ٹال دیا، اور انہیں ایک وقت معین کے لیے مہلت دے دی۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

29 نومبر تا 5 دسمبر 2011ء — جلد 20
یکم تا 7 محرم الحرام 1433ھ — شمارہ 45

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36366638-36316638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک.....450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا----------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادار یہ

حافظ عاکف سعید

پسندیدہ ترین ملک؟

نومبر کے اوائل میں مالدیپ میں منعقد ہونے والی سارک کانفرنس کے دوران وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے بھارت کو پسندیدہ ترین ملک قرار دینے کا اعلان کیا۔ بعدازاں پاکستان آ کر انہوں نے اپنی کابینہ سے بھی منظور کروالیا کہ بھارت، پاکستان کے لیے پسندیدہ ترین ملک کا درجہ رکھتا ہے۔ تاہم ملکی سطح پر اس حوالے سے ملک وقوم کا درد رکھنے والے طبقات اور بعض سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی طرف سے شدید ردعمل کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے اور وزیراعظم کے اس اعلان کو کشمیر کاز سے بغاوت اور ملکی مفادات کے منافی قرار دیا جا رہا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ ہمسایہ ممالک سے بغض وعداوت ختم کرنا اور دوستانہ روابط استوار کرنا اپنی جگہ ایک مطلوب اور پسندیدہ عمل ہے۔ لیکن بھارت کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کا قیام ہندو اکثریت اور ان کی نمائندہ سیاسی جماعت کانگریس کی کھلی شکست کا درجہ رکھتا ہے۔ تحریک پاکستان کے دور میں بھی وہ دوقومی نظریہ کے دشمن اور پاکستان کے قیام کے شدید مخالف تھے اور پاکستان بننے کے بعد بھی انہوں نے ذہناً پاکستان کو ایک دن کے لیے بھی قبول نہ کیا۔ پھر کشمیر کا مسئلہ مستقل طور پر دونوں ملکوں کے درمیان شدید کشیدگی کا باعث بنا رہا۔ پاکستان میں بہنے والے سارے دریا چونکہ وہیں سے آتے ہیں لہٰذا ہمارے لیے یہ مسئلہ اپنی شہ رگ کی حفاظت کا درجہ رکھتا تھا اور بھارت نے اُسے اپنی انا کا مسئلہ بنا کر پاکستان دشمنی کے اظہار کا ذریعہ سمجھا۔ تاہم ہمسایہ ملک ہونے کے ناتے اور بھارت کے مقابلے میں چھوٹا ملک ہونے کے باعث اعتمادسازی کی کوششیں بھی ہماری طرف سے جاری رہی ہیں۔ اس عمل میں امریکہ ایک بین الاقوامی سپر پاور کے طور پر نہ صرف مسلسل کردار ادا کرتا رہا ہے بلکہ وہ یک طرفہ طور پر پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے جائز و ناجائز طریقے بھی استعمال کرتا رہا ہے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے جس کی اولین کوشش 1951 سے 1958 کے درمیان پانامہ کمیشن کے سربراہ ڈیوڈ لی لینتھل کے ذریعے ہوئی جسے امریکہ نے اس کام پر مامور کیا تھا کہ وہ بھارت اور پاکستان کے درمیان دریاؤں کے بٹوارہ کرنے کا معاہدہ کرائے، تاکہ مسئلہ کشمیر کی کشیدگی کی شدت کو کم کیا جا سکے اور دونوں ممالک کے درمیان اعتمادسازی کے عمل کو بڑھایا جا سکے۔ ڈیوڈ لینتھل کی سفارشات چونکہ یکطرفہ طور پر بھارت کی حمایت میں جا رہی تھیں اور بین الاقوامی قوانین سے بھی متصادم تھیں، لہٰذا پاکستان کی جمہوری حکومتوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کیا اور امریکی دباؤ کی پروا نہ کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امریکی منصوبہ بندی کے تحت جنرل ایوب خان نے فوجی بغاوت کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اگلے ہی سال 1959ء میں ایوب خان نے دہلی کا دورہ کیا، پنڈت جواہر لال نہرو، وزیراعظم بھارت کے ساتھ بغل گیر ہو کر دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اس ''اعتمادسازی'' کے نتیجے میں پاکستان اپنے تین اہم دریاؤں سے دستبردار ہو گیا۔

قصہ کوتاہ ہماری ملکی تاریخ اس نوع کی اعتمادسازی کی کوششوں اور بھارت کے ساتھ ''مذاکرات'' کے ذریعے مفاہمت کی کوششوں سے عبارت ہے، لیکن ایسی تمام کوششوں اور مذاکرات کا فائدہ اکثر و بیشتر یکطرفہ طور پر صرف بھارت کو ہوا اور پاکستان کے ملکی وقومی مفادات شدید طور پر مجروح ہوتے رہے۔ چنانچہ بھارت کے ساتھ روابط کو بہتر بنانے کے لیے ثقافتی طائفوں کی آمدورفت، ایسے دانشوروں کی دوطرفہ آمدورفت

جو سیکولر سوچ کے حامل اور دوقومی نظریے یعنی پاکستان کی بنیاد کے مخالفین میں سے ہوں اور دوطرفہ تجارت کو بڑھانے سے آگے بات نہ بڑھ سکی۔ جبکہ یہ تمام اقدامات نہ صرف ہماری نظریاتی بنیادوں کے لیے سمِ قاتل کا درجہ رکھتے ہیں بلکہ پاکستان کی معیشت اور مقامی صنعتوں کی تباہی اور بربادی کا موجب بھی ہیں۔ اور اس نوع کے اقدامات کا سارا نفع یقینی طور پر بھارت کے پلڑے میں جاتا ہے۔ گویا ع ''ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ'' اور وہ اہم ترین متنازعہ اُمور جو اعتمادسازی کے راستے کی اصل رکاوٹ ہیں، اُن کے منصفانہ حل میں رتی بھر پیش رفت نہیں ہوسکی۔

ہمارے نزدیک ہمسایہ ممالک سے بہتر تعلقات اور باہمی اعتماد سازی کے لیے کوشش کرنا اگرچہ اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے اور لائق تحسین بھی ہے لیکن بحالات موجودہ یہ ہرگز پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ ہے کہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان ایک نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے۔ وہ نظریہ ہی پاکستان کے وجود کا ضامن ہے، یہی ہمارے لیے واحد وجہ جواز ہے۔ ورنہ تقسیم ہند ایک عبث فعل قرار پائے گا۔ اس نظریہ (یعنی اسلام) کو اس ملک میں پختہ کیے بغیر اور اس کے لازمی عملی تقاضے (یعنی اسلامی نظام کے قیام) کو پورا کیے بغیر نہ یہ ملک مستحکم ہوسکتا ہے اور نہ اس کی سالمیت کا یقینی طور پر تحفظ ممکن ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ہم نے گزشتہ 65 برسوں میں اپنے قول ہی سے نہیں، اپنے عمل سے بھی اس نظریے کو کمزور کرنے اور اس کی بنیادوں پر خود تیشہ چلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ جس کا منطقی نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ پاکستان بدترین معاشی بدحالی، شدید نوع کے اندرونی اور بیرونی خطرات میں گھر چکا ہے۔ سیاسی و عسکری طور پر ہم آج امریکہ کی غلامی کے چنگل میں ہیں اور معاشی و اقتصادی طور پر ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے غلام ہیں، ہماری خودمختاری اور آزادی گروی رکھی جاچکی ہے۔ چنانچہ ان حالات میں جبکہ ہم خود اپنے ہاتھوں نظریہ پاکستان کی جڑیں کھود چکے ہیں، بھارت جیسے ازلی دشمن کے ساتھ جو اب علاقے کی نئی سپر پاور بن چکا ہے اور جو نظریاتی طور پر ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے اور ہمارے وجود کو ختم کرنے کے درپے ہے، دوستی کی پینگیں بڑھا کر ثقافتی و تجارتی تعلقات استوار کرنا ہمارے لیے قومی خودکشی سے کم نہ ہوگا۔ ثقافتی طور پر بھارت پہلے ہی ہمیں فتح کرچکا ہے۔ اب تجارتی اعتبار سے پسندیدہ ترین ملک قرار دینے کے نتیجے میں وہ ہماری معیشت پر بھی قابض ہو جائے گا۔ ہمارے نظریاتی ضعف نے ہماری بنیادیں شدید طور پر کمزور کردی ہیں۔ اور کون نہیں جانتا کہ ''ہے جرم ضعیفی کی سزا، مرگ مفاجات'' ہاں، اپنی نظریاتی بنیادوں کو فکری و عملی دونوں سطحوں پر پختہ کرنے کے بعد بھارت کے ساتھ تجارتی روابط اور باہم اعتمادسازی کی خاطر دوطرفہ تعلقات ہرگز ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بصورت دیگر تباہی ہمارا مقدر بنے گی۔ اعاذنا اللہ من ذلك

بیابہ مجلس اسرار

فیصلہ کیجئے!

سورہ الشعراء کی آیت 20 میں ارشاد الٰہی ہے: (ترجمہ) ''تم میں سے جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے' اُس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں' اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے' اسے ہم دنیا ہی میں دے دیتے ہیں' مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔''

یہ بڑا پیارا اور اٹل قانون ہے جو اختصار کے ساتھ یہاں بیان ہوا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ فیصلہ کیجئے کہ آپ آخرت کے طالب ہیں یا دنیا کے؟ آپ کا مقصود و مطلوب آخرت ہے یا دنیا؟ عقبیٰ چاہئے یا دنیا چاہئے؟ فیصلہ کیجئے! شعوری طور پر فیصلہ ہو' پھر اس پر ڈٹ جایئے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا ذرا ہاتھ سے جاتی دکھائی دی تو دل پژمردہ ہوگیا اور طبیعت مضمحل ہوگئی۔ اگر تم فیصلہ کر چکے ہو کہ تمہاری مراد آخرت ہے تو اگر دنیا میں کمی آرہی ہے تو تمہیں کوئی پریشانی اور پشیمانی نہیں ہونی چاہئے۔ آدمی طے کرے کہ اوّلیت کس شے کو حاصل ہے' مقدم کیا ہے' مؤخر کیا ہے۔ یہ فیصلہ کرے اور پھر اس پر جم جائے' مستقیم ہو جائے۔ اسی فیصلے کو ارادہ کہا گیا ہے۔ اسی لفظ سے لفظ ''مُرید'' بنتا ہے۔ اب یا تو کوئی مرید ہوگا آخرت کا یا کوئی مرید ہوگا دنیا کا۔ فرمایا: ''جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طلب گار ہے تو اس کی کھیتی میں ہم برکت دیتے رہتے ہیں۔'' اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں جو نیک اعمال انسان آگے بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں پروان چڑھاتا ہے' پالتا پوستا ہے' ترقی دیتا ہے۔ ''اور جو کوئی طالب بن جاتا ہے دنیا کی کھیتی کا۔ ہم اسے دے دیتے ہیں اس میں سے۔'' ہم یہ نہیں کرتے کہ جو دنیا ہی کا طالب بن گیا ہے' جس کا مقصود و مطلوب دنیا بن گئی، جس کی مراد دنیا ہی ہوگئی ہے' اسے ہم دنیا سے بھی محروم کردیں' بلکہ دنیا میں اسے ہم کچھ دے دلا دیتے ہیں۔ البتہ یہ واضح ہے کہ ''پھر ایسے شخص کے لئے آخرت میں کچھ حصّہ نہیں ہے۔'' تم یہ چاہو کہ یہ بھی ملے اور وہ بھی ملے' دو دو اور وہ بھی چپڑی' یہ مشکل ہے۔ طے کرو کہ اصل مطلوب و مقصود اور مراد کیا ہے! دنیا یا آخرت؟

پاکستان میں اسلامی انقلاب کا راستہ:

انتخابی، عسکری یا کوئی اور؟

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کا 18 نومبر 2011ء کا خطاب جمعہ

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ بہاولپور (از 18 تا 20 نومبر 2011ء) میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ نے اپنے خطاب جمعہ میں اسلامی انقلاب کے طریق کار پر مفصل گفتگو کی۔ موضوع کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر خطاب کی تلخیص کی بجائے پورا خطاب دو اقساط میں شائع کیا جا رہا ہے۔ زیر نظر شمارے میں اس کی پہلی قسط پیش ہے۔ (ادارہ)

حضرات! بہاولپور کی اس اجتماع گاہ میں تنظیم اسلامی کا یہ پہلا سالانہ اجتماع ہے۔ تنظیم اسلامی کا کل پاکستان اجتماع پچھلے سال بھی ہوا تھا، لیکن وہ سادھوکی میں ہوا اور دو حصوں میں منقسم ہو کر ہوا تھا۔ پچھلے تین چار سالوں سے ہماری یہ کوشش تھی کہ یہاں اجتماع ہو کہ اسی مقصد کے لیے یہ جگہ حاصل کی گئی تھی، تاہم یہاں اجتماع کا انعقاد نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خاص فضل ہوا ہے کہ اس بار یہاں اجتماع کرنے میں ہمیں کامیابی ہوئی ہے۔ اس پر ہم سب کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ میں آپ سب رفقاء و احباب کو جو یہاں جان و مال کا انفاق کر کے آئے ہیں، خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں ہدیۂ سلام پیش کرتا ہوں۔

رفقاء و احباب! میرے آج کے خطبۂ جمعہ کا عنوان بہت اہم ہے یعنی ''پاکستان میں اسلامی انقلاب کا راستہ: انتخابی، عسکری یا کوئی اور؟'' بالفاظ دیگر اس ملک میں نظام کی تبدیلی کیسے آئے گی! بیلٹ سے یا بلٹ سے یا کسی اور راستے سے۔ یہ آج کا اصل موضوع ہے، لیکن پہلے یہ بتا دیا جائے کہ اسلامی انقلاب سے مراد کیا ہے۔ انقلاب اجتماعی نظام میں کسی بڑی تبدیلی کو کہتے ہیں۔ اللہ کے دیئے ہوئے قانون اور اس کی عطا کردہ شریعت کے سوا جو بھی نظام ہوگا وہ باطل اور طاغوتی نظام ہے۔ مسلمان اِسے کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ کسی علاقے میں غیر اللہ کی حاکمیت ہو، اللہ کا دین و شریعت نافذ اور قائم نہ ہو۔ مسلمان اس غلط، باطل نظام کو تلپٹ کر کے جڑ سے اکھاڑ کر اللہ کے دین کو قائم کریں، تو اس کے لیے ہم ''اسلامی انقلاب'' کا عنوان استعمال کرتے ہیں۔ یہی نفاذ شریعت ہے۔ یہی غلبہ دین حق ہے۔

سب سے پہلے یہ اصولی بات جان لیجیے کہ غلبۂ اسلام کے لیے جدوجہد کیوں لازمی ہے۔ دیکھئے، اللہ تعالیٰ ہمیں دین میں پورے داخلے کا حکم دیتا ہے۔ ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ 'دین اسلام' جامع و کامل نظام حیات ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ محدود تصور دین کے زیر اثر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اگر ہم نماز روزہ کریں، تہجدیں پڑھیں، ذکر و اذکار کریں، تو یہ کافی ہے۔ بس ارکان اسلام کی پابندی کر لیں۔ یہ فرائض ہیں، باقی ساری زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزاریں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری رسومات ہندوانہ ہیں۔ ہماری تہذیب اور اقدار یہود و نصاریٰ سے مستعار لی ہوئی ہیں۔ ہمیں یہ بات ذہنوں میں بٹھانی ہوگی کہ غلبۂ دین کی جدوجہد یہ ہماری بنیادی دینی ذمہ داری ہے، جسے عام طور پر ہم فراموش کر چکے ہیں۔ یہ زمین اللہ کی ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اِس پر اللہ کی شریعت اور اسی کے دیئے ہوئے قانون کو نافذ اور قائم کریں۔ قرآن مجید نے صاف کہہ دیا کہ جن و انس کا تخلیق کا مقصد بندگی و عبادت ہے۔ بندگی کیا ہے؟ اپنے آقا کی غلامی۔ اللہ ہمارا آقا ہے۔ ہم اس کے غلام ہیں، بندے ہیں۔ وہی آقائے حقیقی ہے۔ ہم تو دنیاوی آقاؤں کے آگے بھی سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ اُن کی ہر بات مانتے ہیں، جیسا کہ ہم نے امریکہ کو یہ مقام دے رکھا ہے۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ رب ذوالجلال کی کامل وفاداری اور اطاعت ہو۔ محض زبانی دعویٰ نہ ہو کہ میں اللہ کو رب مانتا ہوں بلکہ آدمی عملاً اُس کا بندہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات دیئے ہیں، اُن میں سے کچھ انفرادی زندگی سے متعلق ہیں اور کچھ اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں۔ صحیح معنوں میں بندہ وہ ہے جو ہر شعبۂ زندگی میں اپنے آقا کی فرماں برداری کرے۔ وہ انفرادی زندگی میں بھی مالک کا فرماں بردار ہو، اُس کی سیرت و کردار، اخلاق اور دوسروں کے ساتھ معاملات کا نقشہ وہ ہو جو اللہ چاہتا ہے۔ پھر وہ جس معاشرے میں رہتا ہو، اس کی اصلاح و فلاح کا کام بھی کرے۔ اور سب سے بڑھ کر وہ رب کی دھرتی پر رب کے نظام کے قیام کی جدوجہد کرے۔ اس لیے کہ معاشرے میں منکرات، فواحش اور گناہ عام ہوں، نظام غیر اسلامی ہو تو ایسے میں دین کے بے شمار احکامات پر جن کا تعلق اجتماعی نظام سے ہے، عمل ممکن نہیں ہوتا۔ بندگی ناقص اور نامکمل رہتی ہے۔ بندگی کامل تب ہوگی جب اللہ کا دین قائم و نافذ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور

ہے کہ دین کو قائم و نافذ کرنے کا کل اختیار اللہ نے ہمیں نہیں دیا۔ ہمیں جو اختیار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم صحیح رخ پر جدوجہد کریں۔ جدوجہد کا تقاضا کیا گیا ہے۔ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ (الحج:78) ''اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔'' ہماری جدوجہد کے باوجود اگر اسلامی نظام نہ آ سکے تو اللہ کی نگاہ میں ہم کامیاب ٹھہریں گے۔ یاد رکھئے نفاذ شریعت کی جدوجہد کو اگر ہم اپنے بنیادی مقاصد زندگی کا حصہ نہیں بناتے تو ہماری بندگی نامکمل ہے۔

اللہ کی دھرتی پر اس کے باغی، اس کے سب سے بڑا دشمن شیطان کا نظام رائج ہے۔ ہم اللہ کو رب مانتے ہیں، رب سے وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس بغاوت کو ختم کیا جائے۔ اس باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اس کی جگہ اللہ کے نظام کو قائم کیا جائے۔ اِسے سورۃ العصر میں اشارۃً شرائط نجات میں بھی شامل کیا گیا، اور سورۃ الصف میں صراحتاً فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (10) تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ (آیت:10، 11) ''مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے مخلصی دے۔ (وہ یہ کہ) اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔'' اسی سورۂ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت غلبہ دین حق بیان ہوا ہے۔ یعنی آپؐ رسول کامل ہیں۔ آپؐ کے ذریعے دین کل روئے ارضی پر قائم ہو کر رہے گا۔ آپؐ نے تیئس سالہ جدوجہد کے نتیجے میں نہ صرف خطۂ عرب میں اسلام کو غالب کیا بلکہ بیرون عرب بھی اس کی توسیع کے مرحلے کا آغاز فرما دیا۔ آپؐ کے صحابہ نے اس دین کو معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے پر غالب کیا۔ آپؐ کے امتی کی حیثیت سے بھی یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ احیائے اسلام کے لیے کوشاں ہوں۔ یہ جدوجہد آپؐ سے وفاداری کا لازمی تقاضا ہے۔ سورۃ الاعراف آیت 157 میں نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادوں کا ذکر آیا ہے۔ فرمایا کہ ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (157)﴾ (پس جو لوگ ایمان لائے آپ (نبی اکرم ﷺ) پر اور جنہوں نے آپؐ کی توقیر و تعظیم کی اور جنہوں نے آپؐ کی مدد و حمایت کی اور جنہوں نے اس نور کا اتباع کیا جو آپؐ کے ساتھ نازل ہوا۔ تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں) آپؐ سے تعلق کی ایک اہم بنیاد آپؐ کی نصرت و حمایت ہے۔ نصرت رسولؐ کس کام میں درکار ہے؟ یہ اُس مشن کو آگے بڑھانے میں مطلوب ہے جو حضور ﷺ کو دیا گیا، یعنی غلبۂ اسلام، اقامت دین کا مشن۔

یہاں میں ایک نکتہ اور بیان کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے، اقامت دین کی جدوجہد کے بھی دو مرحلے ہیں۔ ایک مرحلہ یہ ہے کہ مسلمان جس معاشرے میں رہتے ہوں، اس میں شریعت کا نفاذ کریں۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ پھر کل روئے ارضی پر اللہ کے دین کے قیام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ یہ دونوں مرحلے ہمیں سیرت النبی ﷺ

پریس ریلیز — حافظ عاکف سعید

وطن عزیز میں عریانی و فحاشی کے سیلاب میں کیٹ واکس کے ذریعہ اضافہ روکنے کے لیے علماء کرام، مذہبی سیاسی جماعتیں اور عوام پُرزور آواز بلند کریں

کراچی (پ ر) امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے وطن عزیز میں عریانی و فحاشی کے سیلاب میں کیٹ واکس کے ذریعہ اضافہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ کراچی میں گزشتہ دو دنوں میں کیٹ واکس کے جو مختلف مقامات پر مظاہرے ہوئے ہیں اس کو فوری طور پر روکنے کے لیے علماء کرام، مذہبی سیاسی جماعتیں اور عوام پُرزور آواز بلند کریں ورنہ ان واقعات سے چشم پوشی کے نتیجے میں ان میں مزید اضافہ ہوگا۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان مظاہروں کے سلسلوں پر پابندی لگائے لیکن ہمیں موجودہ حکومت سے اس قسم کے اقدامات کی کوئی توقع نہیں۔ ذرائع ابلاغ پر ان مظاہروں کی شرمناک تصاویر کی اشاعت بھی قابل مذمت ہے۔ ہم ان صحافیوں سے بھی اپیل کرتے ہیں جو وطن عزیز میں فحاشی میں اضافہ کے بارے میں دردمندی رکھتے ہیں کہ وہ اخبار مالکان کو توجہ دلائیں کہ اس طرح کے اقدامات سے وہ دنیا تو ضرور کما لیں گے لیکن آخرت میں اس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

(پریس ریلیز: 23 نومبر 2011ء)

میمو معاملہ: حسین حقانی کو قربانی کا بکرا بنانا مسئلے کا حل نہیں، بے لاگ تحقیق ضروری ہے

نظریاتی بنیاد پختہ کیے بغیر انڈیا سے روابط قومی خودکشی کے مترادف ہے

لاہور (پ ر) میمو کا معاملہ نہایت گمبھیر صورت اختیار کر چکا ہے۔ حسین حقانی کو قربانی کا بکرا بنانا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ شواہد سے نظر آتا ہے کہ امریکہ کو اُس کے مفادات کے تحفظ کے لیے حکمران طبقے کی جانب سے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر قومی مفاد کے منافی کچھ نہ کچھ پیشکشیں کی گئی ہیں جن کی تحقیق ضروری ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر فی الواقع ایسا ہوا ہے تو یہ ملک و قوم سے صریح غداری اور منافقت کی انتہا ہے۔ اِس سے ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارا حکمران طبقہ اپنے حقیر ذاتی اور سیاسی مفادات کی خاطر پستی کی اس آخری حد تک جا سکتا ہے کہ بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے اہم ترین قومی مفادات اور ملکی خودمختاری کو بھی داؤ پر لگا دے۔ ایسے حکمرانوں کا مسلط ہونا اللہ کی ناراضی اور عذاب کا مظہر ہے اور یہ ہماری شامت اعمال ہے۔ انڈیا کو MFN قرار دینے کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پڑوسیوں سے اچھے تعلقات ہونے چاہئیں، مگر اِس سے پہلے اپنی نظریاتی بنیادی کو پختہ کیا جانا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فیصلہ اگرچہ کشمیر کاز کے لیے بھی نقصان دہ ہے، تاہم اس سے بھی اہم تر بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی نظریاتی بنیاد پختہ نہیں کی۔ اور نظریاتی بنیاد کو پختہ کیے بغیر انڈیا سے روابط قومی خودکشی کے مترادف ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ڈرون حملوں پر مجرمانہ خاموشی سے عیاں ہے کہ ہم آزاد نہیں، محکوم قوم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسائل کی جڑ غیر اسلامی نظام ہے۔ قوم اس نظام کے خاتمے کے لیے جدوجہد کرے۔ اسلامی نظام ہی سے ہمیں صحیح معنوں میں مسائل سے چھٹکارا ملے گا اور ہم حقیقی آزادی منزل سے بھی ہمکنار ہو سکیں گے۔ (پریس ریلیز: 23 نومبر 2011ء)

(جاری کردہ مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

میں نظر آتے ہیں۔ ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔ اسلام کے نام پر نہ بھی حاصل کیا ہوتا تب بھی غلبۂ دین کی جدوجہد کا فریضہ ادا کرنا تھا۔ اِس لیے کہ ہم مسلمان یہاں غالب اکثریت میں ہیں، حاکم بھی مسلمان ہیں۔ ہمیں یہ چوائس نہیں دیا گیا کہ ہم چاہیں تو یہاں اللہ کا دین قائم کریں اور چاہیں تو انگریز کے دیئے ہوئے قانون پر عمل کرتے رہیں۔ ظاہر ہے، ایسا نہیں ہے۔ تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کسی علاقے میں مسلمان آباد ہوں اور مسلمان ہی حاکم ہوں اور وہاں پر شریعت نافذ نہ ہو۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حضور ﷺ کے دور میں اس کا تصور بھی نہیں تھا کہ کوئی شخص مسلمان ہو اور نماز نہ پڑھے۔ اس لیے کہ اگر نماز نہیں پڑھے گا تو اسے مسلمان نہیں سمجھا جائے گا۔ چنانچہ بدترین منافق بھی اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں شمار کروانے کے لیے نماز پڑھتے تھے۔

اگر ہم یہاں پر اجتماعی کوشش کر کے شریعت نافذ نہیں کرتے تو یہ اللہ کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔ میں کچھ عرصہ سے ''بغاوت'' کا لفظ دانستہ طور پر استعمال کر رہا ہوں۔ غور کیجیے، ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور ہم اُس کے بندے ہیں۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ وہی اس کا خالق و مالک ہے اور ہم اللہ کے خلیفہ اور نائب ہیں۔ اب اگر نائب آقا کا قانون جاری کرنے کی بجائے اپنا قانون چلانے لگے تو اِسے ''بغاوت'' کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔ اللہ نے ہمیں قانون شریعت عطا کیا ہے، تاکہ اسے نافذ کریں۔ ہم نے 65 سال گزرنے کے باوجود اس قانون کو نافذ نہیں کیا۔ گویا ہم بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں کہ پروردگار، ٹھیک ہے، تو نے ہمیں قانون و شریعت عطا کی، مگر تیری شریعت ہمیں گوارا نہیں۔ ہم یہاں پر اُسے نافذ ہونے نہیں دیں گے۔ ہمیں تو انگریز کا قانون پسند ہے۔ اسی بغاوت کا مظہر ہے کہ ہم نے انگریز سے آزادی کے باوجود اس کے قانون کو جاری و ساری کر رکھا ہے۔ یہ کس قدر تلخ حقیقت ہے کہ آج بھی ہمارا سارا عدالتی نظام 1935ء کے برٹش ایکٹ کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ تمام محکموں میں وہی انگریزی قانون رائج ہے جو انگریز بنا کر گیا تھا۔ یہاں تک کہ ہماری بیوروکریسی کی تربیت بھی انگریز کے چھوڑے ہوئے خطوط پر ہوتی ہے۔ یہاں ایک طبقہ حاکم ہے، ایک محکوم ہے۔ جیسے ماضی میں انگریز حاکم تھا اور یہاں کے لوگ محکوم تھے۔ پاکستان کی بیوروکریسی کی بھی اسی انداز سے ٹریننگ ہوتی ہے کہ تم حاکم ہو، عوام تمہارے محکوم ہیں۔ لہٰذا ان کو ذلیل کرو۔ ہم سو فیصد انگریز کا قانون لے کر چل رہے ہیں۔ رب کے دیئے ہوئے نظام سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ کیا یہ کوئی معمولی جرم ہے کہ نفاذ شریعت کے لیے اس ملک میں کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی۔ بانی محترم بڑے درد کے ساتھ یہ شکوہ کیا کرتے تھے کہ یہاں دینی جماعتوں نے بھی تحریکیں چلائیں تو مارشل لاء کے خلاف اور بحالیٔ جمہوریت کے لیے چلائیں، خالصتاً نفاذ شریعت کے لیے اس ملک میں آج تک ایک بھی تحریک نہیں اُٹھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم اللہ سے بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں۔

ہم نے پاکستان بیش بہا قربانیاں دے کر اسلام کے لیے حاصل کیا تھا۔ ہم نے تقسیم کی لکیر اس لیے کھینچی تھی کہ متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت تھی، ہم اپنی مرضی کا معاشرہ اور اپنا نظام قائم نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا ہم نے کہا کہ ہمیں ایک الگ خطۂ زمین کی ضرورت تھی جس میں اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ دو قومی نظریہ یہی تھا کہ ہندو الگ قوم ہے، مسلمان الگ قوم ہے۔ یہ دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ہم مسلمانوں کو اپنے دین کی بنیاد پر معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ ہمارا اپنا مکمل نظام زندگی ہے۔ جس میں عقیدہ بھی ہے، قانون بھی ہے اور آئین بھی ہے۔ یہ ہر ہر پہلو سے کامل نظام ہے۔ ہمیں اس نظام کو نافذ کرنا ہے۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد عملاً کیا ہوا۔ ہم نے اسلام سے یکسر انحراف کیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ آج ہم اسلام کے حوالے سے بعض اعتبارات سے ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی پیچھے نہیں۔ انہیں ہم سے زیادہ اسلام حاصل ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہمیں اس پر کوئی پریشانی بھی نہیں ہو رہی، کوئی تشویش کا اظہار نہیں، کہیں کوئی بے چینی نہیں۔ میری علماء کرام سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ ان کا اپنی جگہ ایک مقام ہے۔ فروغ اسلام میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ علم دین انہی کے ذریعے سے یہاں تک پہنچا ہے۔ یہ وراثت دین علمائے حق کے ذریعے منتقل ہوئی ہے۔ میں جب بھی اُن سے ملتا ہوں، بڑے ادب سے یہ عرض کرتا اور انہیں دعوت فکر دیتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے عائلی قوانین تو اپنے لیے محفوظ کروائے ہیں، ہمارے تو عائلی قوانین بھی غیر اسلامی ہیں۔ یہ قوانین 1962ء میں صدر ایوب نے غلام احمد پرویز کے کہنے پر، جو منکر حدیث تھا، نافذ کیے۔ اُس وقت تمام مکاتب فکر کے علماء نے انہیں غیر اسلامی تو قرار دیا تھا، جیسے سابق فوجی آمر پرویز مشرف کے دور حکومت میں تحفظ حقوق نسواں کے نام سے بل کو آج کے دور کے معتزلہ کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے علماء نے متفقہ طور پر غیر اسلامی قرار دیا تھا، تاہم غیر اسلامی قرار دینے کے باوجود اُن قوانین کے خلاف کوئی تحریک نہیں چلائی۔ چنانچہ یہ آج تک نافذ چلے آتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان اقلیت میں تھے لیکن انہوں نے متحد ہو کر اپنا یہ حق تسلیم کروایا تھا کہ ہمارے عائلی قوانین میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ اس کا ایک پس منظر ہے۔ ایک موقع پر کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک ایسا فیصلہ دیا جس سے مسلمانوں نے محسوس کیا کہ یہ ہمارے عائلی قوانین میں مداخلت ہے، تو اپنے اختلافات بھلا کر وہ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، جماعت اسلامی سب نے مل کر تحریک چلائی، تا آنکہ وزیراعظم راجیو گاندھی کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور اس نے لوک سبھا میں کے فلور پر یہ کہا کہ آئندہ کوئی بڑی سے بڑی عدالت بھی مسلمانوں کے عائلی قوانین میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ بہرکیف انڈیا کے مسلمانوں نے اپنے عائلی قوانین کو تحفظ دلوا دیا، مگر ہمیں وہ تحفظ بھی حاصل نہیں ہے۔

ہم نے ملک کا نام تو اسلامی رکھ دیا، مگر ''اسلامی'' کی حقیقت انسداد دہشت گردی عدالت کے جج پرویز علی شاہ کے اس جملے سے عیاں ہوگئی جو اُس نے ممتاز قادری سے کہا تھا کہ جو کچھ تم نے کیا ہے، اسلام کی رو سے ٹھیک ہے، لیکن پاکستانی قوانین کی رو سے میں تمہیں سزا دے رہا ہوں۔ ہماری عدالتوں میں فیصلے اللہ کے قانون کی بجائے انگریز کے قانون کے مطابق ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (44)﴾ (المائدۃ)

میں نے اکثر مواقع پر مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کا وہ جملہ سنایا ہے، جو انہوں نے 1985ء میں جب کہ وہ عائلی قوانین کی تحریک کی قیادت کر رہے تھے، مسلمانوں سے کہا تھا: ''اے ہندوستان کے مسلمانو، جان لو، اگر تم سے تمہارے عائلی قوانین چھین لیے گئے تو تم مسجد میں مسلمان اور اپنے گھر میں کافر ہوگے۔'' ان الفاظ پر غور کیجیے اور ذرا سوچیے ہم کس مقام پر کھڑے ہیں۔ اس مختصر بحث سے واضح ہوا کہ نفاذ شریعت کی جدوجہد کوئی نفلی کام نہیں ہے، یہ رب سے وفاداری کے بنیادی اور اہم ترین تقاضوں میں سے ہے۔ (جاری ہے)

مشاورت کا ڈھونگ

نائن الیون کے بعد ایک تاریخی میٹنگ کی روداد

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

نائن الیون کے متصل بعد جب مبینہ طور پر پرویز مشرف کو امریکی حکومت کی جانب دھمکی آمیز فون کال ملی تو انہوں نے ایوان صدر میں ایک ہی روز، صحافیوں اور سیاستدانوں کے علاوہ مختلف مکاتب فکر کے علماء ومشائخ کے ساتھ الگ الگ مجالس منعقد کیں۔ یہ مجالس بظاہر تو مشاورت کے لیے تھیں لیکن درحقیقت اِن سے امریکہ کا ساتھ دینے کے ناروا فیصلے میں عوامی حمایت کا حصول مقصود تھا، جو فوجی آمر پہلے ہی کر چکا تھا۔ علماء ومشائخ کے ساتھ اس میٹنگ میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کو بھی مدعو کیا گیا تھا جنہوں نے امارت اسلامی افغانستان کے خلاف امریکہ کا ساتھ دینے کے فیصلے کی یہ کہہ کر بہت سخت مخالفت کی تھی کہ اولاً یہ عدل وانصاف کے مسلمہ اصولوں سے بغاوت ہوگی، اس لیے کہ ابھی کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ ہم نے طالبان حکومت کو تسلیم بھی کیا ہے اور اسلام آباد میں آج بھی اُس کا سفارت خانہ موجود ہے۔ اُس کے سفیر ملا عبدالسلام ضعیف موجود ہیں۔ بس صرف ایک دھمکی پر آپ اُن سے پیٹھ پھیر لیں، یہ سراسر غیرت وحمیت کے منافی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ اللہ اور اُس کے دین اسلام کے خلاف بغاوت ہوگی۔ اس لیے کہ ایک مسلمان ملک کے خلاف ایک غیر مسلم ملک کی مدد کرنا اسلام سے بغاوت ہے۔ اِس مجلس میں ممتاز عالم دین مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ مولانا محترم نے بعد ازاں دارالعلوم کراچی میں اس مجلس کی روداد بیان کی اور اس کا خلاصہ بھی قلم بند کرلیا تھا، جسے افادۂ عام کے لیے ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

''نائن الیون'' کے متصل بعد جب (بقول صدر پرویز مشرف کے) امریکی حکومت کی طرف سے ان کو دھمکی آمیز فون کال ملی، تو انہوں نے ایوانِ صدر میں ایک ہی دن میں تین الگ الگ مجلسیں منعقد کیں۔ ① صبح کو صحافیوں کے ساتھ۔ ② سہ پہر کو تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کے ساتھ۔ ③ اور شام کو سیاست دانوں کے ساتھ۔

اُس وقت کی علاقائی صورتِ حال سے ہر پاکستانی بے چین تھا۔ جامعہ دارلعلوم کراچی کے اساتذہ وطلبہ بھی اس مجلس کی روداد اور نتیجہ جاننے کے لیے بے تاب تھے۔ اس لیے اسلام آباد سے واپسی پر دارالعلوم کی ایک مجلس میں وہاں کی روداد بیان کی، جو اُسی وقت محفوظ کر کے اُس کا خلاصہ قلم بند کرلیا گیا تھا۔ پرانے کاغذات میں وہ روداد حال ہی میں سامنے آئی تو قارئین کرام کی معلومات کے لیے یہاں پیش کی جارہی ہے۔

تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کو ایوانِ صدر میں بلایا گیا تھا۔ الحمد للہ اس مجلس میں تمام مکاتب فکر کے علماء نے متفقہ بات کی۔ یہ بات سب نے کہی کہ دہشت گردی شریعت میں جائز نہیں کہ بے گناہوں کو دھوکے سے مار دیا جائے۔ ہم اس کی مذمت کرتے ہیں، چاہے کرنے والا کوئی بھی ہو۔ دوسری بات جو متعدد حضرات نے کہی، وہ یہ کہ ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ 11 ستمبر کی یہ کارروائی یہودیوں کی ہے اور قرائن بھی بیان کیے۔ عالم اسلام کے خلاف تشدد کروانے اور حکومتِ امریکا کو گمراہ کرنے کے لیے ایسا کیا گیا۔ لیکن جب تک کسی پر جرم ثابت نہ ہو، اس پر سزا جاری کردینا دوسری دہشت گردی ہے۔ اس کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اور آج تک امریکہ بھی کوئی ثبوت فراہم نہیں کرسکا کہ دہشت گردی میں اسامہ ملوث ہے۔ اگر بے تحقیق اور بغیر ثبوت کے افغانستان کے خلاف کارروائی کی گئی تو یہ واضح طور پر انصاف کے خلاف ہوگا۔

بعض شرکائے مجلس نے یہ بھی کہا کہ اگر پاکستان ایسی کارروائی میں شریک ہوا تو یہ ملک وملت کے خلاف غداری ہوگی، جس کے باعث خود ہمارے ملک میں خانہ جنگی ہوسکتی ہے۔

نشستیں پہلے سے متعین ہوتی ہیں۔ میری ایک طرف جناب مولانا مفتی غلام سرور صاحب تھے، جن کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے ہے اور دوسری طرف ایک شیعہ عالم تھے، جو اسلامی نظریاتی کونسل میں بھی ہمارے ساتھ رہ چکے ہیں۔ ہمارا ان دونوں حضرات سے پرانا تعارف ہے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ گفتگو کا آغاز جناب مفتی غلام سرور صاحب سے ہوا۔ انہوں نے وہی بات کہی، جو بعد میں، میں نے اور دوسرے شرکاء نے کہی اور افغانستان کی بھرپور حمایت کی۔ انہوں نے آغاز میں سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 6 پڑھی:

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔''

اور کہا کہ امریکی حکومت اُسامہ کو بہانہ بنا کر پاکستان اور افغانستان کو نشانہ بنانا چاہتی ہے۔

شروع میں صدر پرویز مشرف صاحب نے خطرات پیش کیے تھے کہ اگر ہم انکار کرتے ہیں تو امریکہ ہم پر حملہ کرسکتا ہے۔ اور دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ہمارے انکار کی صورت میں بھارت کو آگے بڑھ کر اُس کی حمایت کرنے کا موقع مل جائے گا اور افغانستان میں طالبان کی حکومت ختم ہونے پر وہ وہاں اپنا اثر ورسوخ بڑھا کر ہمارے لیے مسئلہ بن جائے گا۔ اور اگر ہم امریکہ کی حمایت کریں گے تو ہم امریکہ سے بہت سارے مفادات حاصل کرسکتے ہیں۔ اور طالبان کی حکومت کے خاتمے پر ہم وہاں اپنی حمایتی حکومت بنواسکیں گے۔ کیونکہ امریکہ نے یقین دہائی کرائی ہے کہ پاکستان تعاون کرے گا تو ہم اُس کے ساتھ اپنے تعلقات بالکل ازسرنو کریں گے۔

پھر میرا نمبر آیا۔ میں نے کہا کہ جو خطرات آپ نے بیان کیے ہیں، ان سے ہم پوری طرح انکار کرنے کی پوزیشن میں تو نہیں، لیکن اگر ہم جرم ثابت ہوئے بغیر امریکی حکمرانوں کی دھاندلی اور دھمکی میں آکر ان کی بات مان لیتے ہیں، یعنی وہ گن پوائنٹ پر ہم سے مطالبہ کریں کہ مظلوم کے خلاف ہماری مدد کرو اور ہم اُن سے خوف زدہ ہوکر اُن کا یہ ظالمانہ مطالبہ مان لیں، تو یہ بدترین جرم ہوگا۔ ایسے ظلم کا ساتھ دینا پاکستان کے لیے تباہی کا راستہ ہے۔ اس سے خود پاکستان میں پھوٹ پڑجائے گی۔ افغانستان کے ساتھ ہماری بہت لمبی سرحد ہے، جو ہمارے افغان بھائیوں اور طالبان کی وجہ سے بالکل محفوظ ہے۔ بحالتِ موجودہ اُس سرحد کی حفاظت کے لیے ہمارے ایک سپاہی کی بھی ضرورت نہیں۔ اگر افغانستان میں حملہ آور فوج آگئی تو ہماری تقریباً ڈیڑھ ہزار کلومیٹر لمبی یہ سرحد بالکل غیر محفوظ ہوجائے گی۔ اور پاکستان میں امریکہ کو اڈے دینے سے ہمارا پڑوسی ملک چین بھی ہم سے بدگمان ہوجائے گا۔ بھارت تو پہلے ہی سے ہمارا دشمن ہے۔ لہٰذا اگر ہم نے افغانستان پر غیر ملکی حملے اور قبضے کی حمایت کی تو یہ راستہ ہمیں دینی اور دُنیاوی تباہی کی طرف لے جائے گا۔ ہم محض امریکہ کے رحم وکرم پر رہ جائیں گے اور جو ہمارے ہیں، وہ ہم سے کٹ جائیں گے اور ہمارے دشمن ہوجائیں گے۔ اگر ایسا ہوا کہ آپ نے ظالم حملہ آور کی محض طاقت سے مرعوب ہوکر افغانستان پر اُس کے حملے کی حمایت کی اور اپنی زمین اور فضا استعمال کرنے کی اجازت دے دی تو یہ اپنی غلامی یا موت کے پروانے پر دستخط کے مترادف ہوگا۔ ہماری ایٹمی تنصیبات کا کیا ہوگا؟ کشمیر کا مسئلہ کہاں جائے گا؟ اگر اس ظالمانہ حملے کی حمایت کرنا اور نہ کرنا دونوں خطرناک ہیں، اور بالفرض ہمارے لیے دونوں ہی طرف

موت ہے تو ایسے موقع پر عقل اور شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اصول پر ڈٹ جائیں۔ اگر موت آئے گی تو ہمارا ضمیر مطمئن ہوگا کہ اصول پر موت آئی۔ اور اگر خدانخواستہ ظلم کی حمایت میں موت آ گئی تو یہ ذلت کی موت ہوگی اور پہلی صورت میں عزت و شہادت کی موت ہوگی۔ میں نے اپنے کئی فوجی بھائیوں سے یہ جملہ سنا ہے اور آپ تو پاکستان کے سپہ سالار ہیں، آپ اُس جملے کو زیادہ جانتے ہیں کہ جو شخص مرنے کے لیے تیار ہو جائے اُسے دو سو گولیوں سے بھی مارنا آسان نہیں ہوتا۔ ہمیں مٹانا بھی ان شاءاللہ کسی کے لیے آسان نہیں ہوگا۔

میری گفتگو کے دوران صدر نے جواب دیا کہ ہم اپنے ہوائی اڈے تو نہیں دیں گے اور چین ہمارے ساتھ متفق ہے۔ ایک کشمیری عالم نے جن کا اسم گرامی اس وقت مجھے یاد نہیں آ رہا، بڑی اچھی باتیں کہیں، انہوں نے حق گوئی اور دلائل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پرویز مشرف کے بیان کردہ تمام خطرات کے جوابات دے دیئے۔ سترہ علمائے کرام تھے۔ ہم سب نے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر کھل کر بات کی اور ہر خطرے کا تفصیلی جائزہ لیا۔ آخر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی باری آئی تو انہوں نے بھی طالبان حکومت کے خلاف امریکہ کی حمایت کی بہت سخت الفاظ میں مخالفت کی۔

لیکن دوران مجلس ہی یہ دیکھ کر ہمیں سخت تشویش ہوئی اور افسوس ہوا کہ صدر صاحب امریکہ کی حمایت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کی سلامتی کا مسئلہ ہے۔ اس کے مفاد میں ہم تمام ناگزیر اقدامات کریں گے۔ حالات تشویش ناک ہیں۔ ہمیں اتنا اطمینان ہوا کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔ اب فیصلہ اچھا یا برا کرنے کی ذمہ داری صدر پر ہے۔ سب نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ سپر پاور کی بات کر رہے ہیں۔ اس رب العالمین پر نظر کریں جو سب سے بڑی سپر پاور ہے۔ اُس نے پہلے کمیونزم کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اب وہ کسی اور ظالم کا غرور بھی خاک میں ملا دینے پر قادر ہے۔

صدر نے ہمارے سامنے افغانستان کی طالبان حکومت کی بھی شکایت کی اور کہا کہ ہم نے کتنے عرصے مسلسل افغانستان کا بچاؤ اور تحفظ کیا مگر طالبان نے ایک ہی دن میں ہمارے کیے کرائے پر یہ کہہ کر پانی پھیر دیا کہ اگر تم نے امریکہ کا ساتھ دیا تو ہم تم پر حملہ کر دیں گے۔ اس کا جواب بھی ایک عالم صاحب نے دیا کہ اس سے تو آپ کے ہاتھ مضبوط ہوں گے۔ آپ امریکہ سے کہیں کہ ہماری بھی مجبوریاں ہیں۔

اس مجلس میں پرویز مشرف صاحب نے یہ بھی کہا کہ جب امریکہ کے خلاف کوئی اسلامی ملک آواز نہیں اُٹھا رہا، سارے اسلامی ممالک طالبان کے خلاف ہو گئے ہیں، ان حالات میں ہم اکیلے کیسے ان کا ساتھ دیں؟ ہم اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے ملے ہیں، کسی نے طالبان کی تائید نہیں کی۔ اس کا جواب علمائے کرام نے یہ دیا کہ آپ حکمرانوں سے ملے ہیں۔ وہاں کے عوام سے نہیں ملے۔ وہ کبھی امریکی حملہ آوروں کا ساتھ نہیں دیں گے۔

احساس کی لہر

ذیشان واثق خان

بے بسی اور بے حسی

کوئی دو برس پہلے کی بات ہے۔ بی۔او۔آر سوسائٹی کی جامع مسجد کے باہر عصر کی نماز کے وقت ایک عورت باہر کی طرف مسجد کی دیوار کے ساتھ بے سُدھ پڑی تھی۔ بال پراگندہ اور کپڑے میلے تھے۔ زندگی کے آثار دکھائی نہ پڑتے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو مسجد کے گیٹ پر کھڑے گارڈ سے پوچھا کہ زندہ ہے یا بے ہوش۔ اس نے کہا کہ بے ہوش لگتی ہے' کوئی رکشے والا اُٹھا کر یہاں ڈال گیا ہے۔ لوگ جُوق در جُوق نماز کے لیے آتے رہے اور اس عورت کو دیکھ کر رکتے اور پھر اندر جماعت کی نماز کے لیے لپکتے رہے۔ میں نے مسجد کے اندر جھانکا تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ میں بھی مسجد میں داخل ہو گیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز کے بعد باہر آ کر دیکھا تو کچھ لوگ اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ میں نے ایک رکشہ والے سے بات کی جو ابھی نماز پڑھ کر ہی نکلا تھا۔ بھائی' اس خاتون کو جناح ہسپتال پہنچا دو' یہاں سے بمشکل ایک کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ کتنے پیسے لو گے؟ رکشہ والے نے کہا کہ بھائی صاحب میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ وہ لوگ مجھ سے پوچھ گچھ شروع کر دیں گے۔ مجھے آپ اس مصیبت میں نہ ڈالیں۔ میں اسے نہیں لے جا سکتا۔

رکشے والے سے مایوس ہو کر میں نے ریسکیو 1122 پر فون کیا کہ بی۔او۔آر کی مسجد کے سامنے ایک عورت بے ہوش پڑی ہے' ایمبولینس بھیج دیں۔ جواب آیا کہ ایمبولینس نہیں ہے۔ پوچھا، کہاں گئیں؟ کہا گیا، کچھ ترکی کے صدر صاحب کے پروٹوکول کے لیے گئی اور کچھ لاہور میں ایکسیڈینٹ وغیرہ کے کیس میں گئی ہیں۔ لہٰذا آپ 115 پر رابطہ کریں۔ یہاں فون کیا تو انہوں نے پوچھا کہ عورت بالغ ہے یا نابالغ' وارث ہے یا لاوارث۔ جب میں نے بتایا کہ لاوارث لگتی ہے تو اس نے کہا کہ 15 پر پولیس سے رابطہ کریں۔ اس دوران وہاں پر موجود لوگ اپنی اپنی چہ مگوئیوں میں مصروف تھے۔ کوئی اس عورت کے چہرے پر سے مکھیاں اڑا رہا تھا۔ کوئی اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے پھینک رہا تھا۔ ایک آدمی اپنے گھر سے دودھ کا گلاس لے آیا۔ ایک آدمی نے بتایا کہ آج تو ڈاکٹروں نے ہڑتال کی ہوئی ہے اور جناح ہسپتال سارے کا سارا بند ہے۔ کیا ایمرجنسی بھی بند ہے.....؟ آہو..... کوئی حکومت کو برا بھلا کہہ رہا تھا..... اور کوئی کسی کو..... 15 پر فون کیا تو کسی نے بڑی مستعدی سے فون اٹھایا اور ساری صورتحال پوچھ کر فوراً فون بند کر دیا جیسے ان کی ٹیم فون بند کرتے ہی روانہ ہو گئی ہے۔ میں وہاں پر کھڑے ہو کر 15 کی مدد کا انتظار کرنے لگا۔ میری آنکھیں سڑک پر ان کے انتظار میں تھک گئیں۔ لیکن کوئی نہ آیا۔ جناح ہسپتال بھی بند تھا۔ ایک رکشہ والے کو روکا اور شیخ زید ہسپتال جانے کے لیے کہا۔ شیخ زید ہسپتال کے تو راستے بند ہیں، اس نے کہا۔ اچھا تو پھر سرو سز یا جنرل ہسپتال لے چلو۔ رکشے والا ڈیڑھ سو روپے میں تیار ہو گیا۔ اس دوران میں نے وہاں پر موجود لوگوں سے کہا کہ رکشے کا کرایہ میں دے دوں گا' کوئی اس کے ساتھ چلا جائے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کو دیکھنے لگ گیا۔ رکشے والے نے جب یہ معاملہ دیکھا تو وہ بھی وہاں سے دھیرے دھیرے کھسک گیا۔ ابھی تک 15 کی مدد نہیں پہنچی تھی۔ ایک صاحب نے 1122 پر فون کیا تو انہوں نے کہا کہ 15 والے ہمیں کہیں گے تو ہم ایمبولینس بھیجیں گے۔

یہ کیسی دینداری ہے کہ ایک انسان مسجد کے باہر مر جائے اور ہم کچھ نہ کریں، حالانکہ ایک انسان کی جان بچانا گویا پوری انسانیت کی جان بچانے کے مترادف ہے۔ وہاں پر کھڑا ایک آدمی بولا۔ یہ سن کر میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ مجھے لگا کہ بے بسی پر کہیں میرا سینہ پھٹ نہ جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ بے حس ہو چکا ہے۔ وی آئی پی روٹس پر سیکیورٹی کے نام پر عوام کو جو پریشانی ہوتی ہے، اس کی آئے روز خبریں اخبارات میں آتی رہتی ہیں، لیکن حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بیرون ممالک سے آنے والے معزز صدور اور وزرائے اعظم کی آمد پر اہم شاہراہوں کی بندش کو ہم لوگوں نے بڑی فراخدلی سے برداشت کر لیا ہے' ورنہ ایسا تو ہو سکتا ہے کہ حکومت صوبائی دارالحکومت میں معزز مہمان کی آمد کے موقع پر ٹریفک جام سے بچنے کے لیے عام تعطیل کر دے اور جن شاہراہوں کو سیکیورٹی اور استقبال کی غرض سے بند کیا جاتا ہے' ان کا ایک متبادل روٹ بنا کر اخبارات کے ذریعے مشتہر کر دیا جائے' تاکہ معمول کی ٹریفک کے ساتھ مریضوں اور ایمبولینسوں کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہم ایک مریضہ کو ہسپتال پہنچانے کے لیے جس طرح پریشان ہو رہے تھے اِس سے ذہن میں یہ خیال ضرور آتا ہے کہ ایسے ریسکیو اداروں کا کیا فائدہ جو وقت پر کام ہی نہ آئیں..... شاید اسی لیے ہماری بے بسی اب بے حسی میں تبدیل ہو چکی ہے۔

غزوۂ تبوک

اہل ایمان کا سخت ترین امتحان

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فکر انگیز خطاب

جنگ موتہ کے معرکے نے غسانیوں اور رومیوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کو خوف لاحق ہو گیا کہ مسلمان چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ وہ یقیناً دوبارہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایک طرف غسانیوں نے فوجی تیاریاں شروع کر دیں، دوسری طرف انہوں نے قیصر روم کو لکھا کہ اس اُبھرتی ہوئی طاقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، امسال پورا عرب قحط میں مبتلا ہے، لہٰذا یہ بہترین موقع ہے کہ مسلمانوں کو کچل دیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ کو بھی یہ خبریں برابر مل رہی تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضور ﷺ کی طرف سے نفیر عام ہوئی۔ یعنی ہر مسلمان جس کو کوئی عذر شرعی لاحق نہ ہو، اس کا اس غزوہ کے لیے نکلنا اور فوج میں شامل ہونا لازم قرار دے دیا گیا۔ اس سے قبل یہ ہوتا تھا کہ جب بھی کہیں کوئی مہم بھیجنی ہوتی تھی، نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرماتے اور مہم کے لیے مطلوبہ تعداد کے مطابق یا خود انتخاب فرماتے یا اُن اصحاب کو شامل فرما لیتے جو خود کو اس مہم کے لیے پیش کرتے۔ لیکن اس مرتبہ صورتحال مختلف تھی۔ لہٰذا نفیر عام ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں تیس ہزار کی فوج تیار ہو گئی اور آپؐ اس لشکر کو لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔

غزوۂ تبوک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نہایت سخت امتحان کا موقع تھا۔ اس لیے کہ اب ٹکراؤ وقت کی دو عظیم ترین طاقتوں میں سے ایک طاقت یعنی سلطنت روما سے درپیش تھا۔ اب بات عربوں کی باہمی جنگ کی نہیں تھی جہاں ایک اور تین چار یا ایک اور دس یا بیس کی نسبت ہو۔ سلطنتِ روما کے پاس لاکھوں کی تعداد میں ہر وقت باقاعدہ فوجیں تیار رہتی تھیں، جو اُس دور کے اعتبار سے اعلیٰ ترین ہتھیاروں سے لیس تھیں۔ غسانیوں نے لاکھوں کا لشکر تیار کر رکھا تھا، جس کی پشت پر خود ہرقل قیصر روم اپنی کثیر فوج کے ساتھ شام میں موجود تھا اور وہ کسی طرح بھی اپنے ان مقبوضات سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک طرف یہ صورت حال تھی، دوسری طرف عالم یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا سخت امتحان لیا کہ ہر مسلمان کا جنگ کے لیے نکلنا لازم قرار دیا، اِلّا یہ کہ وہ ضعیف یا بیمار ہو۔ اِس پر مستزاد قحط کا عالم اور شدید گرمی کا موسم تھا جس کی بنا پر لوگوں پر ویسے بھی گھر سے نکلنا شاق گزرتا تھا۔ ان حالات میں طویل سفر گویا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر منافقین کا پردہ چاک ہو گیا۔ وہ خود بھی جنگ کے لیے نکلنے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ﴾ ”گرمی میں نہ نکلو“۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ کھجوروں کی فصل تیار تھی اور یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اگر اب چلے گئے تو یہ کھجوریں درختوں ہی پر گل سڑ کر ختم ہو جائیں گی۔ انہیں کون اتارے گا۔ پہلے ہی کھانے کے لالے پڑے ہیں، یہ فصل بھی اگر برباد ہو گئی تو پھر کیا ہو گا؟ اِن سب پر مستزاد یہ کہ طویل ترین سفر اور سلطنت روما سے ٹکراؤ کا مرحلہ درپیش تھا، لہٰذا ساز و سامان بھی کافی درکار تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دے رہے تھے کہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مالی انفاق بھی کرو۔

نبی اکرم ﷺ کی اس ترغیب کے نتیجہ میں پرستارانِ حق نے ساز و سامان کی فراہمی میں اپنی بساط سے بڑھ کر حصہ لیا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسودہ حال تھے اُنہوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ یہی وہ موقع ہے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا نصف ساز و سامان اور اثاثہ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارے کا سارا اثاثہ نذر کر دیا اور گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ غریب صحابہ رضی اللہ عنہم نے محنت مزدوری کر کے جو کچھ کمایا، لا کر حاضر کر دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رات بھر ایک باغ میں پانی سینچا اور اس کے معاوضہ میں انہیں جو کھجوریں ملیں وہ لا کر خدمتِ اقدس میں پیش کر دیں۔ عورتوں نے اپنے زیور اُتار کر دے دیئے۔ الغرض تمام اہل ایمان میں جوش جہاد کی لہر دوڑ گئی۔

یہ نفیر عام اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب منافقوں کے لیے کسوٹی بن گئی۔ اس موقع پر پیچھے رہ جانے اور انفاق سے ہاتھ روکنے کے معنی یہ تھے کہ ایسے شخص کا اسلام کے ساتھ تعلق مشتبہ ہو جاتا۔ چنانچہ منافقین کے لیے یہ موقع ان کے نفاق کا پردہ چاک کرنے کا سبب بن گیا۔ دوسری طرف بعض ایسے اہل ایمان بھی تھے جو سواریوں کی کمی اور سامان کی قلت کی وجہ سے باوجود شدید خواہش کے تبوک کے سفر پر جانے سے معذور تھے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں رو رو کر کہتے کہ اگر آپؐ ہمیں بھی لے چلیں تو ہماری جانیں قربان ہونے کے لیے حاضر ہیں۔ ان مخلصین کی بے تابیوں کو دیکھ کر حضور ﷺ کا دل بھر آتا تھا۔

رجب 9 ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے 30 ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے شام کی طرف کوچ فرمایا اور تبوک کے مقام پر قیام فرمایا، جو شام اور جزیرہ نمائے عرب کا سرحدی مقام ہے۔ اس سفر میں دس ہزار گھڑ سوار آپؐ کے ہمراہ تھے۔ اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ دوسری جانب غسانیوں نے لاکھوں کی فوج تیار کر رکھی تھی اور قیصر نے چالیس ہزار رومی سپاہ ان کی مدد کے لیے بھیج رکھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ غسانیوں کی مدد کے لیے حمص میں موجود تھا۔

جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا جو لشکر مدینہ سے آ رہا ہے اور اس کی قیادت خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں تو اس نے غسانیوں اور رومی فوجوں کو حکم بھیجا کہ سرحد سے تمام فوجیں واپس چلی آئیں۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ حضور ﷺ اللہ کے رسولؐ ہیں اور یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ سے مقابلے کا نتیجہ شرمناک شکست کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ پھر

جنگ موتہ میں ایک جانب تین ہزار اور دوسری جانب ایک لاکھ فوج کے مقابلہ کی جو کیفیت اس کے علم میں تھی، اس کے بعد اس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ تیس ہزار فدائین کے اس لشکر سے مقابلہ کرے جس کی کمان خود نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے۔ حالانکہ اُس وقت اس کے پاس غسانیوں اور رومیوں کی دو لاکھ سے بھی زیادہ فوج موجود تھی۔ چنانچہ وہ طرح دے گیا اور اس نے سرحد سے تمام فوجیں واپس ہٹا کر مسلح تصادم کا ہر امکان روک دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے اس مرحلہ پر قیصر کے اعراض اور پسپائی کو کافی سمجھا اور از خود تبوک سے آگے بڑھ کر شام کی سرحد میں داخل ہونے کی بجائے اس بات کو ترجیح دی کہ اس طرح لشکر اسلام کو جو اخلاقی اور نفسیاتی فتح حاصل ہوئی تھی، اس سے زیادہ سے زیادہ سیاسی اور جنگی فوائد حاصل کیے جائیں۔ حضور ﷺ وہاں بیس دن تک مقیم رہے، تاکہ اگر قیصر مقابلہ میں آتا ہے تو آئے — اس عرصہ کے دوران آپؐ نے سرحدی قبائل کے رئیسوں اور سرداروں سے معاہدے کیے اور اس طرح اس علاقے میں اپنی پوزیشن مضبوط بنالی۔ گویا ہجرت کے بعد غزوۂ بدر سے قبل حضور ﷺ نے قریش کے خلاف جو راست اقدام (Active Resistance) کیا اور قریش کی سیاسی ناکہ بندی (Political Isolation) کی، وہی کام حضور ﷺ نے تبوک کے 20 روزہ قیام کے دوران انجام دیا۔ اس کے بعد آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

10 ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے فریضہ حج ادا فرمایا۔ اس موقع پر آپؐ سوا لاکھ صحابہؓ کے مجمع میں یہ گواہی لے لی کہ میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچا دیا یا نہیں؟ صحابہ کرام ؓ نے تین مرتبہ یہ اقرار و اعلان کیا کہ آپؐ نے حق تبلیغ، حق نصیحت اور حق امانت ادا کر دیا۔ اِسی موقع پر آپؐ نے اپنا مشن اُمت کے حوالے کیا اور فرمایا ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) ”جو یہاں موجود ہیں وہ (اِس دین کو) اُن لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔“ آپؐ کے اِس ارشادِ گرامی میں یہ بات از خود مضمر ہے کہ میں نے جزیرۂ نما عرب کی حد تک اسلام کو غالب کر دیا۔ اب اسلامی انقلاب کی عالمی سطح پر تکمیل تمہاری ذمہ داری ہے۔

الغرض یہ ہیں سیرت کے وہ اہم واقعات (یعنی سلاطین و رؤساء کو نامہ ہائے مبارکہ کی ترسیل، جنگ موتہ اور غزوۂ تبوک) جن سے انقلاب محمدیؐ کی بین الاقوامی تصدیر (Export) کے کام کا آغاز ہوا۔ (جاری ہے)

میں بھی حاضر تھا وہاں

”ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پر ہو“

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے حوالے سے چند تاثرات

وسیم احمد
نائب ناظم نشر و اشاعت

سالانہ اجتماعات جہاں کسی بھی تنظیم یا جماعت کے فکر کو از سر نو تازہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، وہاں ہم مقصد اور ہم سفر ساتھیوں سے میل ملاقات کے خوشگوار اور دل خوش کن مواقع بھی فراہم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال جونہی تنظیم اسلامی نے سالانہ اجتماع کے انعقاد کا اعلان کیا، رفقائے تنظیم اسلامی کا ذوق و شوق جوش جذبہ دیدنی تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس بار سالانہ اجتماع کا انعقاد بہاولپور میں تنظیم اسلامی کی نئی مرکزی اجتماع گاہ میں ہو رہا تھا۔ بہاولپور میں دریائے ستلج کے کنارے پُرفضا مقام پر 137 ایکڑ پر محیط قطعہ اراضی پاکستان کے تقریباً وسط میں ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے رفقائے تنظیم کو سالانہ اجتماع میں پہنچنے کے لیے زیادہ سفر کی صعوبتوں سے بچانے کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ حلقہ لاہور کے رفقاء نے اپنے شہر سے تقریباً پانچ سو کلومیٹر دور ہونے کے باوجود اس اجتماع کی میزبانی کی سعادت حاصل کی ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔ ناظم اجتماع جناب محمد جہانگیر اور ان کے درجنوں معاونین کی شب و روز محنت نے واقعتاً جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ اس موقع پر ملتان کے رفقائے تنظیم کی معاونت بھی انہیں حاصل تھی کیونکہ اکابرین تنظیم اسلامی کا یہ کہنا تھا کہ آئندہ اجتماع کی میزبانی ان شاء اللہ حلقہ ملتان کو ادا کرنا ہے۔ لہٰذا یہ اجتماع ان کے لیے ٹریننگ کے ساتھ ساتھ ایک طرح سے ”فل ڈریس ریہرسل“ بھی تھا۔

ملک میں جاری دہشت گردی کی بدترین لہر کے سبب جنوبی پنجاب میں واقع مرکزی اجتماع گاہ میں انتظامیہ سے سالانہ اجتماع کے انعقاد کی اجازت لینا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ اس کا ایک سابقہ تجربہ رفقائے تنظیم کو تقریباً دو سال قبل ہو چکا تھا، جب رفقاء کے قافلے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لیے گھروں سے نکل پڑے تھے کہ یکایک مقامی انتظامیہ نے اجتماع کا اجازت نامہ منسوخ کر دیا، جو وزیر اعلیٰ پنجاب کی مداخلت کے باوجود بھی بحال نہ ہو سکا۔ اس پس منظر میں امسال بھی کئی طرح کے وسوسے اور افواہیں گردش کر رہی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم اور تنظیم اسلامی کی مرکزی ٹیم کی مربوط کوششوں کا صلہ تھا کہ 18 تا 20 نومبر کو مرکزی اجتماع گاہ میں سالانہ اجتماع کا انعقاد ممکن ہوا۔ اگرچہ اس کا اجازت نامہ بڑی کڑی شرائط مثلاً اجتماع گاہ کے گرد چار دیواری، سیکیورٹی کے ذاتی انتظام اور تقاریر کے لیے ہارن والے لاؤڈ سپیکر استعمال نہ کرنے سے مشروط تھا، لیکن تنظیم اسلامی نے کڑی سے کڑی شرائط پر بھی اجتماع کے انعقاد کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

سرزمین بہاولپور ریتلی ہے۔ اس وجہ سے صبح و شام کے اوقات میں موسم قدرے ٹھنڈا اور دن میں گرم رہتا تھا۔ لہٰذا کراچی سے شرکاء اجتماع سردی سے ٹھٹھرتے اور بالائی علاقوں کے شرکاء معتدل موسم سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اگرچہ انتظامیہ نے کہہ دیا تھا کہ سیکیورٹی کی ذمہ داری خود تنظیم اسلامی پر ہوگی، تاہم ملک میں لا اینڈ آرڈر کی بگڑتی ہوئی صورتحال کے سبب مقامی انتظامیہ کی طرف سے بھی سیکیورٹی کے غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے۔ چنانچہ اجتماع گاہ کے چاروں طرف تنظیم اسلامی کے رضاکاروں کے چوبیس گھنٹے سیکیورٹی ذمہ داری نبھانے کے باوجود مقامی پولیس کے اہلکار بھی ہمہ تن ان کی معاونت کرتے رہے۔

ایک مقصد، ایک مشن اور ایک ہدف کے حامل

رفقائے تنظیم اپنے گھروں سے کئی سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے بہاولپور کی سرزمین پر جمع ہوئے۔ جان و مال کا انفاق کر کے اجتماع میں حاضر ہونا، اُن کے جذبوں کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ یہ سبق تازہ کرنے آئے تھے کہ ایمان کی شاہراہ پر چلتے ہوئے اللہ کے لیے اُس کے دین کے احیاء کی خاطر اپنا تن من دھن لگا دیں گے۔ کہ یہی تو منافع کا سودا ہے۔ اس کے بدلے ہی میں تو انہیں دنیا میں بھی عزت و کامرانی ملنی ہے اور آخرت میں بھی فوز و فلاح حاصل ہوگی۔ مقررین کے ایمان افروز بیانات کو شرکاء نے بڑے انہماک سے سنا۔ تنظیم اسلامی کے امیر محترم حافظ عاکف سعید انہیں مقصد زندگی کی یاددہانی کرا رہے تھے، انہیں راہ حق میں قربانیاں دینے اور زمانے کے جبر سہنے کی تلقین کر رہے تھے تو مجھے وہ شعر یاد آ گیا جو کوثر نیازی نے کہا تھا ؎

کشاکشِ حس و دریا ہے دیدنی کوثر
الجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے

20 نومبر اجتماع کے آخری روز تھا۔ امیر محترم اختتامی خطاب کے لیے سٹیج پر تشریف لائے تو پنڈال اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگی داماں کا منظر پیش کرنے لگا۔ رفقاء و احباب ہمہ تن گوش تھے۔ محترم حافظ عاکف سعید نے فرمایا کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ کا خاص شکر بجالانا چاہیے جس نے ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی۔ بلاشبہ دنیا میں ہم تک پہنچنے والا ہر خیر اللہ ہی کے خصوصی کرم و توفیق سے ہے۔ لہٰذا ہمیں ہر دم اسی کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی اللہ کی بندگی اور دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اجتماعی کوشش کا نام ہے۔ ہمیں رب کی دھرتی پر رب کے نظام کو نافذ کرنے کی مربوط اور پیہم جدوجہد کرنی ہے۔ ہمارے ناقدین کی توقعات کے برعکس بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی رحلت کے بعد مجموعی طور پر تنظیم اسلامی بہتری کی طرف گامزن ہے۔ ہمیں اپنی کوتاہیوں پر قابو پانا اور نفاذِ دین کے کام کو ہر لیول پر مستقل مزاجی سے آگے بڑھانا ہے۔ ہمیں تعلق مع اللہ کو مضبوط کرنا اور اپنے سرکش نفس پر قابو پانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ اگرچہ ہم نے اس ضمن میں لزوم ختم کر دیا ہے لیکن ہمیں انفاقِ مال کے قرآنی مطالبے کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ہمارے رویے "رحماء بینھم" کے مطلوبہ معیار سے کم ہیں۔ ہمیں اپنے اندر حزب اللہ کے اوصاف پیدا کرنے ہیں، جس کے لیے ہمیں اپنے ایمان کو گہرا اور شریعت کو سب سے پہلے اپنے اوپر لازم کرتے ہوئے خلاف شرع چیزوں کو اپنی زندگیوں اور اپنے گھروں سے خارج کرنا اور اپنی ذات میں عمل صالح کا نمونہ بننا ہوگا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں اپنے آپ کو سمع و طاعت کا خوگر بنانا ہے۔ اُسرے کا نظام مضبوط ہوگا تو تنظیم مضبوط ہوگی۔ یاد رکھیے کہ مقامی نظم میں نقیب ہی صاحب امر ہے۔ یہ عہد کریں کہ تنظیم کے تربیتی اور دعوتی کاموں کو دنیا کے تمام کاموں پر ترجیح دیں گے کیونکہ ہماری منزل دنیا نہیں آخرت ہے۔ انہوں نے رفقائے تنظیم اسلامی کے آئندہ سال کے لیے عمومی اہداف کا تعین کرتے ہوئے فرمایا کہ 1) تنظیم کے نظم کی پابندیوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دعوت دین کے کام میں اپنا بھرپور حصہ ڈالیں۔ 2) آئندہ سالانہ اجتماع میں ہر رفیق تنظیم دو نئے رفقاء تنظیم کے ساتھ اجتماع میں شرکت کرے۔ 3) بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتاب "رسول انقلاب کا طریق انقلاب" کا دوبارہ مطالعہ کریں۔

اجتماع کے اختتام پر حافظ عاکف سعید نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کرنے والے نئے رفقائے تنظیم سے مسنون انداز میں بیعت سمع و طاعت کی، اور منتظمین اجتماع کا فرداً فرداً شکریہ ادا کیا۔ رقت آمیز اختتامی دعا پر یہ سالانہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ ملک میں ریلوے کی دگرگوں صورت حال کے پیش نظر پاکستان کے طول و عرض سے آنے والے رفقاء نے ریل کی بجائے بسوں کے ذریعے سفر کرنے کو ترجیح دی۔ یوں عارضی خیموں پر مشتمل وسیع و عریض اجتماع گاہ اجتماع سے روانگی کے وقت آخری لمحات میں کسی مصروف لاری اڈے کا منظر پیش کر رہی تھی۔

قارئین کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ سالانہ اجتماع کی مفصل روداد آئندہ شمارہ میں شائع ہوگی، ان شاء اللہ۔ راقم نے تو محض چند تاثرات پیش کیے ہیں۔

خلافت فورم

☆ گھاس کھا کر بھی ایٹم بم بنانے کا عہد کرنے والے لیڈر کی جماعت انڈیا کو MFN کا درجہ کیوں دے رہی ہے؟
☆ مہنگی بجلی، پانی اور گیس کی شدید قلت کا سامنا کرنے والے پاکستانی تاجر اور کاشتکار انڈین بزنس مین کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟
☆ قیام پاکستان سے آج تک کئی جنگیں لڑنے اور لاکھوں کشمیریوں کو شہید کرنے والے دشمن کو MFN کا درجہ دینے کا اخلاقی جواز کیا ہے؟
☆ کیا حکومت فوج کو اعتماد میں لیے بغیر انڈیا کو MFN کا درجہ دے رہی ہے؟
☆ پاکستان کی عزت و وقار اور سالمیت کو نقصان پہنچانے والے متنازعہ میمو کا messenger منصور اعجاز کیا اسرائیلی ایجنٹ ہے؟
☆ میموگیٹ سکینڈل پر امریکی میڈیا پراسرار طور پر کیوں خاموش ہے؟
☆ کیا میموگیٹ سکینڈل اور انڈیا سے تجارت بڑھانے اور MFN کا درجہ دینے میں کوئی چیز قدر مشترک ہے؟
☆ کیا سپریم کورٹ میموگیٹ سکینڈل میں ملوث شخصیات کا تعین کر کے انہیں کیفر کردار تک پہنچائے گی؟

ان سوالات کے جوابات تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ
www.tanzeem.org "خلافت فورم" میں دیکھئے

مہمانانِ گرامی: **نذید احمد غازی** (سابق جسٹس لاہور ہائیکورٹ)
بریگیڈیر (ر) **ڈاکٹر غلام مرتضیٰ**
میزبان: **وسیم احمد**

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء و تجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

پیشکش: شعبہ سمع و بصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

عدمِ مساوات اور اسلام

پروفیسر عبدالعظیم جانباز

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ (النحل:71)

''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے۔''

سورۃ الزخرف میں فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (آیت:32)

''اور ہم نے اُن میں سے بعض کو بعض پر درجوں کے لحاظ سے رفعت دے رکھی ہے۔''

اشتراکی معترضین کہتے ہیں کہ ان آیاتِ قرآنی کی موجودگی میں کون مسلمان اسلام میں طبقاتی نظام کے وجود سے انکار کرسکتا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے آیئے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ طبقاتی نظام سے مراد کیا ہے؟ اس کے بعد ہی ہم اس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو سمجھ سکیں گے اور یہ جان سکیں گے کہ آیا اسلام کے نزدیک یہ جائز ہے یا ناجائز۔

عہد وسطیٰ کا یورپ تین طبقات میں واضح طور پر بٹا ہوا تھا: طبقۂ اشراف، پادری اور عوام۔ جہاں تک پادریوں کے گروہ کا تعلق تھا، ان کی امتیازی علامت ان کا لباس تھا۔ قوت اور اقتدار کے لحاظ سے یہ گروہ بڑے بڑے بادشاہوں تک کا حریف تھا۔ چنانچہ کلیسا کا سربراہ پوپ بادشاہوں کا تقرر یا تنزل اپنا حق خیال کرتا تھا۔ یہ صورت حال ان بادشاہوں کے لیے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کلیسا اور پوپ کے اقتدار سے آزاد ہونے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کلیسا کے مالی وسائل کا یہ عالم تھا کہ ان کے بل پر وہ اپنی باقاعدہ فوج بھی رکھ سکتا تھا۔

طبقۂ اشراف کے افراد کو شرافت و نجابت باپ دادا سے ورثے میں ملتی تھی۔ اس کا کوئی تعلق ان کے ذاتی اعمال یا اخلاق سے نہیں تھا۔ ان کے نزدیک یہ شرفاء پیدائشی طور پر شریف ہوتے تھے اور کسی کمینہ سے کمینہ حرکت یا برے سے برے فعل کے ارتکاب کے بعد بھی وہ شریف رہتے تھے اور اُس سے اُن کی پیدائشی شرافت پر کوئی آنچ نہیں آتی تھی۔ دورِ جاگیرداری میں اس طبقۂ اشراف کو اپنی جاگیروں میں بسنے والوں پر مطلق العنان اختیارات حاصل تھے۔ وہی تمام عدالتی اور انتظامی اختیارات کا مالک تھا اور اس کی خواہشات اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو قانون کا مرتبہ حاصل تھا۔ اس زمانے میں جو نمائندہ مجالس تھیں وہ بھی اسی طبقے کے افراد پر مشتمل ہوتی تھیں، جس کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ یہ لوگ جب قانون سازی کرتے، اس میں بھی ان کے پیش نظر اپنی ذات، اپنی مراعات اور اپنے مفادات کا تحفظ رہتا تھا جنہیں ان کے لوگوں نے ایک ایسے تقدس کا رنگ دے رکھا تھا کہ ان کو پامال کرنے کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

جہاں تک عوام کے طبقہ کا تعلق تھا، اس کو نہ کوئی مراعات حاصل تھیں اور نہ حقوق ہی سے وہ پوری طرح بہرہ ور تھا، بلکہ افلاس، غلامی اور ذلت باپ دادا سے اُسے ورثے میں ملتی تھی اور وہ یہی ورثہ آنے والی نسلوں کو منتقل کرتا چلا آتا تھا اور بتدریج اسی مقام اور اہمیت کا حامل بن گیا، جو زمانۂ قدیم کے طبقۂ اشراف کی خصوصیت تھی۔ بالآخر عوام نے انقلاب فرانس برپا کیا، جس نے بظاہر طبقاتی تفریق کا خاتمہ کردیا اور دنیا کو حریت، اخوت اور مساوات کے نعرے عطا کیے۔

دور جدید میں پرانے طبقہ اشراف کی جگہ اب سرمایہ داروں کے طبقے نے لے لی ہے۔ یہ تبدیلی ایک غیر محسوس طریقے سے آئی اور اپنے ساتھ اقتصادی ترقی کے نتیجے میں رونما ہونے والی بہت سی اور تبدیلیاں بھی لائی، لیکن اس ساری اکھاڑ پچھاڑ میں بنیادی اصول میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ چنانچہ اب بھی مال و دولت، قوت و اقتدار سب کچھ سرمایہ دار طبقے کے ہاتھ میں ہے اور وہ جیسے چاہتا ہے حکومت کی مشینری کو استعمال کرتا ہے۔ ایک جمہوری ملک کے انتخابات میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو پوری پوری آزادی حاصل ہے، مگر یہاں بھی بعض چور دروازے ایسے ہیں جن کے ذریعے سرمایہ دار پارلیمنٹوں اور حکومت کے دفاتر پر قابض ہوکر جائز و ناجائز ذریعے سے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی یاد رہے کہ دور جدید میں جمہوریت کے سب سے بڑے سرپرست خود برطانیہ میں بھی ابھی تک دارالأمراء کے نام سے ایک ایوان بالا موجود ہے۔ وہاں اب بھی زمانۂ قدیم کا ایک ایسا جاگیردارانہ قانون رائج ہے جس کی رو سے ایک جاگیردار کی وفات کے بعد اُس کی ساری جائیداد اُس کے بڑے بیٹے کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ اس قانون کا واضح مقصد جاگیر اور جاگیردار کو چند مخصوص ہاتھوں تک محدود رکھنا ہے، تاکہ خاندان کی جائیداد اور دولت ایک ہی جگہ مرکوز رہے اور عہد وسطیٰ میں جاگیرداروں کو جو معاشرتی مقام حاصل تھا، وہ خاندان میں قائم رہے۔

طبقاتی نظام کی بنیاد دراصل اس غلط مفروضے پر قائم ہے کہ دولت ہی اصل قوت ہے، اس لیے جس طبقے کے پاس دولت ہوتی ہے، لازماً وہی سیاسی قوت کا بھی مالک ہوتا ہے۔ ملک کی قانون سازی میں اسی کا عمل دخل ہوتا ہے، اور وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ایسے قوانین بناتا ہے، جن کا منشاء خود اس کے اپنے مفادات کا تحفظ اور دوسرے طبقات کو ان کے تمام قانونی حقوق سے محروم کرکے اپنے تابع رکھنا ہوتا ہے۔

طبقاتی نظام کی اس تعریف کی روشنی میں پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں اس طرح کے کسی طبقاتی نظام کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نہ کبھی ایسا طبقاتی نظام اسلامی تاریخ میں پایا گیا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت مندرجہ ذیل حقائق سے بھی ہوتی ہے۔

اسلامی قوانین میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں ہے جس کا مقصد مال و دولت کو چند مخصوص افراد تک محدود رکھنا ہو۔ قرآن حکیم میں صاف اور واضح الفاظ میں اشارہ موجود ہے کہ:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ﴾ (الحشر:7)

”تاکہ دولت تمہارے دولتمندوں میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔“

اسلام نے جو قوانین حیات عطا کیے، ان کا مقصد یہ ہے کہ دولت کو مسلسل تقسیم اور گردش میں رکھا جائے۔ اسلام کے قانون وراثت کے مطابق ہر مرنے والے کا ترکہ اس کے تمام ورثاء میں خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو، تقسیم ہونا چاہیے۔ اسلام میں وراثت کا حقدار کوئی ایک فرد نہیں ہوتا، سوائے ان استثنائی حالات کے جبکہ مرنے والے کا اور کوئی بھائی بہن یا رشتہ دار موجود نہ ہو۔ ان استثنائی حالات میں بھی اسلام نے اس امر کا انتظام کیا ہے کہ ساری دولت اور جائیداد کا مالک ایک ہی شخص نہ بن بیٹھے، بلکہ اس میں دوسرے مستحقین کے لیے بھی کچھ حصہ نکالا جائے، جو مرنے والے سے کسی قسم کی قرابت داری کا تعلق نہیں رکھتے۔ موجودہ زمانے میں جو وراثت ٹیکس پایا جاتا ہے، یہ اسی کی ایک ابتدائی شکل ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ (النساء:8)

”اور جب (وارثوں میں ترکہ کی) تقسیم کے وقت (دور کے) رشتہ دار آ موجود ہوں اور یتیم اور غریب لوگ، تو ان کو بھی اس (ترکے) میں سے کچھ دے دو اور ان کے ساتھ بھلائی کی بات کرو۔“

یوں اسلام نے ارتکازِ دولت سے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کیا۔ اسلام کے قانون وراثت کی رو سے جائیداد کسی خاص طبقے کو ورثے میں نہیں ملتی، بلکہ میت کے ورثاء میں تقسیم ہوتی ہے اور ان کے بعد یہی دولت اور جائیداد آگے ان کے ورثاء میں تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں دولت کبھی چند افراد کے پاس محدود نہیں رہی، بلکہ پورے معاشرے میں مسلسل گردش کرتی رہی ہے۔

اسلام کا یہ مزاج اس کی ایک اور اہم خصوصیت کی جانب ہماری رہنمائی کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق محض ایک خاص طبقے تک ہی محدود نہیں ہے۔ اسلامی نظام میں کوئی شخص اپنی مرضی سے کوئی قانون بنانے کا حق نہیں رکھتا، کیونکہ اسلام سب انسانوں کو ایک ہی الہامی قانون کا تابع بنانا چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اور جو انسانوں میں کسی قسم کی تفریق کا روادار نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہوتا ہے، کیونکہ طبقات کی موجودگی اور قانونی ترجیحات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جہاں قانونی ترجیحات موجود نہ ہوں اور کوئی طبقہ اپنے حسب منشاء، قانون سازی کر کے اپنے مفادات کی خاطر دوسروں کو نقصان پہنچانے پر قادر نہ ہو، وہاں طبقاتی امتیازات بھی نہیں ہوتے۔

اب آیئے، ذرا ان دو آیات کا صحیح مطلب سمجھنے کی کوشش کریں، جو اس مضمون کے آغاز میں درج ہیں، اور جن کا سرسری مطالعہ بعض ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ﴾ (النحل:71)

”اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے۔“

﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (الزخرف:32)

”اور ہم نے اُن میں سے بعض کو بعض دوسروں پر درجوں کے لحاظ سے رفعت دے رکھی ہے۔“

ان آیات میں محض ایک امر واقعہ بیان کیا گیا ہے، جو کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی نظام میں پیش آ سکتا ہے۔ اور اس کی حکمت بھی بتا دی کہ یہ اس لیے ہے، تاکہ لوگ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ ظاہر ہے کہ اگر معاشی حالت بالکل یکساں ہوگی، تو ایک شخص دوسرے کا کام کیونکر کرے گا۔ پھر یہ کہ معاشی میدان میں کامل مساوات عملاً ممکن ہی نہیں، بلکہ انسانوں میں رزق اور رُتبے کے لحاظ سے امتیازات تو اشتراکی نظام میں بھی موجود ہیں۔ روس ہی کی مثال لیجیے۔ کیا وہاں پر سب لوگوں کو ایک جیسی اُجرتیں دی جاتی ہیں یا کچھ لوگوں کو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ اُجرتیں ملتی ہیں؟ کیا فوج میں بھرتی ہونے والے سبھی فوجیوں کو ایک جیسے عہدے دیے جاتے ہیں یا بعض کو دوسروں پر برتری حاصل ہوتی ہے؟ اگر یہ فرق مراتب وہاں بھی موجود ہے، تو اس کی وجہ انسانوں میں پائے جانے والے ناگزیر امتیازات کے سوا اور کیا ہے؟ اس طرح کے امتیازات دُنیا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے۔

اب تک یہ حقیقت واضح ہو جانی چاہیے کہ اسلامی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جس میں طبقات نہیں پائے جاتے اور نہ قانونی امتیازات ہی اس میں ملتے ہیں۔ مال و دولت کے لحاظ سے لوگوں میں جو فرق پایا جاتا ہے اُسے طبقاتی نظام کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ جب تک دنیاوی ساز و سامان اور جائیداد کا یہ فرق کسی قانونی یا انفرادی ترجیحات کی صورت میں ظاہر نہ ہو، اس وقت تک اس کے نتیجے میں کوئی طبقات وجود پذیر نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر قانون کی نگاہ میں سب انسان نظری ہی نہیں واقعاتی دنیا میں بھی برابر ہوں، تو مال و دولت کا یہ فرق بھی طبقاتی امتیازات کی صورت میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔

یہاں پر یہ امر بھی واضح رہے کہ اسلام نے افراد کو زمین کی ملکیت کا جو حق دیا ہے، اس کے نتیجے میں زمین کے مالکوں کو ایسے خصوصی حقوق یا مراعات حاصل نہیں ہوتیں، جن کے بل پر وہ دوسروں کو غلام بنائیں یا انہیں اپنے مقاصد کا آلۂ کار بنا سکیں۔ اگر صحیح اسلامی نظام میں سرمایہ دارانہ نظام کا ظہور ہوتا تو وہاں بھی یہی صورتِ حال پیش آتی، کیونکہ اسلام میں حکمران کے اختیاراتِ حکمرانی سرمایہ دار طبقے کی حمایت کے مرہونِ منت نہیں ہوتے، بلکہ پوری قوم کی حمایت اور انتخاب کا نتیجہ ہوتے ہیں، اور مسلمان حکمران کا فرض احکام ربانی کو بجا لانا ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی ایسا معاشرہ موجود نہیں ہے، جس کے سارے افراد دولت کے لحاظ سے آپس میں برابر ہوں۔ اشتراکی معاشرہ میں بھی یہ مساوات مفقود ہے، اگرچہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے سارے طبقات کو مٹا دیا ہے۔ اس کا سارا کارنامہ بس اتنا ہے کہ اس نے چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کو ختم کر کے حکمرانوں کے ایک نئے طبقے کو پیدا کر دیا، جس نے دوسرے تمام طبقات کو نیست و نابود کر دیا ہے۔

ایک اور بل کی منظوری.....جگنوؤں کو راستہ تو یاد ہونا چاہیے

پروفیسر خباب احمد خان

''جو کوئی بھی دھوکا دہی یا غیر قانونی ذرائع سے کسی عورت کو وراثت کی تقسیم کے موقع پر منقولہ یا غیر منقول جائیداد کی وراثت سے محروم کرے گا اس کو کسی نوعیت کی زیادہ سے زیادہ دس سال اور کم از کم پانچ سال قید یا دس لاکھ روپے جرمانے یا دونوں سزائیں دی جائیں گی ..... جو کوئی بھی دیوانی جھگڑے یا فوجداری معاملے کے تصفیے کی بابت، صلح، ونی، سوارہ یا کسی نام کے تحت دیگر کسی رسم یا رواج کے طور پر کسی عورت کی شادی کرتا ہے یا دیگر کسی عورت کو شادی کرنے پر مجبور کرے گا، اس کو کسی ایک نوعیت کی زیادہ سے زیادہ سات سال اور کم از کم تین سال قید کی سزا ہوگی اور پانچ لاکھ جرمانہ کیا جائے گا۔ یعنی قرآن پاک پر خاتون کا حلف اُٹھانا کہ وہ اپنی بقیہ زندگی غیر شادی شدہ رہے گی یا وراثت سے اپنا حصہ نہیں مانگے گی تو وہ قرآن سے شادی تصور ہوگی۔ صوبائی حکومتیں زنا کی سزاؤں میں مداخلت نہیں کریں گی اور ایسی سزاؤں کو معاف کرنے یا کم کرنے کا بھی انہیں اختیار نہ ہوگا۔ سیشن جج یا درجہ اول کے مجسٹریٹ مقدمات نمٹائیں گے۔ کسی کو وارنٹ کے بغیر گرفتار نہیں کیا جاسکے گا۔''

قومی اسمبلی میں منظور ہونے والے بل ''خواتین دشمن روایات کا امتناع'' کا خلاصہ مندرجہ بالا سطور میں دیا گیا ہے۔ استحصالی روایات کے خلاف اس بل کی منظوری ایک خوش آئند اقدام ہے۔ مسلم لیگ (ق) سے تعلق رکھنے والی ممبر قومی اسمبلی ڈاکٹر دونیہ عزیز نے 2006ء میں چودھری شجاعت حسین کی طرف سے خواتین کی استحصال کے خلاف پیش کیے جانے والے بل کو جو کمیٹی میں چلا گیا تھا منظور کروایا۔

قوانین بنانا، انہیں پارلیمنٹ سے منظور کرانا یا اسے ملکی آئین کا حصہ بنانا اپنی جگہ بہت اہم ہے، مگر کیا قانون کی کتب میں ایک اور قانون یا چند قوانین کے اضافے سے اس استحصال اور برائی کا خاتمہ ہو جائے گا جو خواتین یا محروم طبقات کو معاشرتی زندگی میں درپیش ہیں؟ یقیناً ایسا سوچنا حماقت کے سوا کچھ نہیں کیونکہ قوانین اس سے پہلے بھی موجود ہیں مگر کیا ان پر عمل ہو رہا ہے؟ ہماری ایلیٹ کلاس اپنے لیے قانون کو کبھی چھڑی بنا لیتی ہے تو کبھی جیب کی گھڑی۔ اس وقت گردوپیش پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ عورتوں کا استحصال کرنے والے وہی لوگ ہیں جو قانون سازی کر رہے ہیں۔ پارلیمنٹ اور سینیٹ کے ارکان کی اکثریت استحصالی طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ ونی، سوارہ، جبری صلح، بدل اور قرآن سے عورت کی شادی کرانے والے جاگیردار، وڈیرے، سردار، ثمن دار، خوانین اور ملک نہیں تو اور کون ہیں؟ اسمبلی میں موجود عوام کے ''منتخب'' نمائندے علی الاعلان ان قبیح رسوم کی کیا سرپرستی نہیں کرتے؟ سندھ کے معروف سیاسی خاندان ہوں یا جنوبی پنجاب کے پختونخوا کے خوانین ہوں یا بلوچستان کے سردار، مذکورہ بالا استحصالی روایات کے ''امین'' ہیں اور اپنی بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کو وراثت سے محروم کرنا حق مردانگی سمجھتے ہیں۔

پھر جب سے ''حقوق نسواں'' کے نعرے لگا کر ''صنف نازک'' کے حقوق کے نام پر ''نسواں بل'' (جس کو میں ''عصیاں بل'' کا نام دیتا ہوں) منظور ہوا، عورتوں کے خلاف جنسی جرائم میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ فیوڈلز کی بگڑی اولادیں جب چاہتی ہیں کسی کی بہن اور بیٹی کو اٹھا کر جنسی ہوس کا نشانہ بناتی ہیں اور قانون کی موجودگی کے باوجود ان کا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔ میرے سامنے انسپکٹر جنرل پنجاب کے دفتر سے جاری شدہ رپورٹ ہے جس کے مطابق صرف پنجاب میں 2009ء میں 1837 خواتین ''ریپ'' کی گئیں۔ 680 خواتین کو قتل کیا گیا۔ 198 کی غیرت کے نام پر زندگی ختم کی گئی۔ 2010ء میں 766 خواتین کو قتل کیا گیا، غیرت کی بھینٹ چڑھنے والی عورتوں کی 233 تھی جبکہ ریپ کا شکار ہونے والی عورتیں 2092 تھیں۔ ''ونی'' کی جانے والی گیارہ عورتیں اس کے علاوہ ہیں ''گینگ ریپ'' سے متاثرہ ہونے والی عورتوں کی تعداد 2009ء میں 164 اور 2010 میں 201 رہی۔ جنسی تشدد کا نشانہ بننے والی 2009ء میں 118 خواتین تھیں، اور 2010ء میں 98۔2009 میں خواتین پر تیزاب پھینکنے کے 23 اور 2010ء میں 16 واقعات رپورٹ ہوئے، چولہا پھٹنے سے 2009ء میں 6 خواتین اور 2010ء میں ایک خاتون ماری گئی۔ رواں سال (2011ء) کے پہلے آٹھ ماہ میں 1268 خواتین کی آبروریزی کی گئی، جبکہ 98 کو اجتماعی آبروریزی کا نشانہ بنایا گیا۔ 580 خواتین قتل ہوئیں، 174 خواتین ''غیرت'' کے نام پر الگ قتل ہوئیں، ایک خاتون ''ونی'' ہوئی اور 61 خواتین کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا، 445 عمومی تشدد کا شکار ہوئیں، ایک خاتون کی چولہا پھٹنے سے موت واقع ہوئی۔

یہ رپورٹ اگست کی ہے اور اب نومبر جا رہا ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو رپورٹ ہوئے، جو واقعات رپورٹ نہیں ہوئے ان کی تعداد ان سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہوگی۔ یہ صرف پنجاب کا حال ہے، دوسرے صوبوں میں خواتین کے استحصال کے واقعات کی شرح اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اس ملک میں پارلیمان کی راہداریوں میں پھرنے والے ارکان میں سے کئی ایسے ہیں جنہوں نے ''نجی جیلیں'' بنا رکھی ہیں۔ عورتوں سے کھیتوں اور بھٹوں میں جانوروں کی طرح کام لیتے ہیں، ان سے کسی قسم کی غلطی ہو جائے تو انہیں جانوروں جیسے سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مغرب زدہ لوگ عورت کے حقوق اور آزادی کے نام پر اسے ''چراغ خانہ'' بننے سے روکنے اور ''شمع محفل'' بنانے میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک گھر ہستی عورت کا کام نہیں بلکہ وہ گھر سے باہر نکل کر ہوائی جہازوں، بسوں، دفتروں اور اداروں میں کام کرے۔ ''گھر کی ملکہ'' بننا ان کے ہاں عورت کو مقید کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''روشن خیالی'' کے نام پر ''کوٹھیوں''، ''کوٹھوں'' ''کلبوں'' ''ریسٹ ہاؤس'' ''سالگرہ کی تقریبات'' ''شادی کی تقریبات'' حجروں اور محفلوں میں ان کے جسمانی نشیب و فراز سے

آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی جاتی ہے۔ ''فنون لطیفہ'' کی نمائش سے دل کی تسکین کا سامان کیا جاتا ہے ''انگور کی بیٹی'' چڑھا کر ''حوا کی بیٹی'' سے جنسی لذت کشید کی جاتی ہے۔ کھٹکتے لوگوں کے بدلے میں عورت کو بھٹکتے راستوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کی الہڑ جوانی سے حظ اٹھا کر ڈھلکتی عمر میں دھکے کھانے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کبھی یہودیت و عیسائیت، صہیونیت و مجوسیت عورت کو ''برائی کا محور'' قرار دیا کرتی تھیں، اب اسے ''برائی کا مرکز'' بنانے میں مصروف عمل ہیں۔ اس سے ماضی میں ''نفرت'' کرنے والے ''محبت'' کے نام پر اس کو ''ذلت'' کی اتھاہ گہرائیوں میں اتارنے میں مشغول ہیں۔ مرد کی برتری کا ڈھول پیٹنے والے آخر کیوں نہیں سوچتے کہ محض قوانین بنانے سے استحصال ختم ہوتا ہے نہ روایاتِ قبیحہ، جس کی نظیر ہمارے معاشرے میں عورت کی استحصال کے بڑھتے ہوئے واقعات ہیں۔ مسائل کا حل اسلامی نظام کے نفاذ سے ہوگا۔ اس ملک کو قائم ہوئے نصف صدی سے زائد بیت چکا ہے۔ بدقسمتی سے اس میں ''اسلام'' کو صرف نعرے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس پر تنقید کے نشتر چلائے گئے۔ کبھی اس کے نفاذ کا مرحلہ نہیں آیا۔ اسلام نے عورت کو مرد کے مساوی حق دیا ہے، مرد کو کسی حد تک برتری دی ہے تو اس پر ساری معاشی ذمہ داریاں بھی ڈالی ہیں جبکہ عورت کو معاشی ذمہ داریوں سے آزاد کیا ہے۔ وراثت کا حق عورت کو اسلام نے دیا۔ اسلام نے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے حقوق متعین کیے۔ عورت کی عزت وحرمت کی حفاظت کو پامال کرنے والوں کے لیے سخت سزائیں رکھی گئی ہیں، جن رسومات کے خلاف یہ بل لایا گیا ہے اسلام میں ان رسومات کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ عملی قدم اُٹھا کر سب سے پہلے ارکان پارلیمنٹ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت سے ان کا حصہ دینے کا اعلان کریں، ونی، سوارہ اور قرآن سے شادی جیسی قبیح روایات کے خاتمے کا آغاز گھر سے کریں۔ زبانی دعوؤں اور محض قانون سازیوں سے عورتوں کے استحصال کا خاتمہ ممکن نہیں۔

ان ''اندھیروں'' میں بھی منزل پر پہنچ سکتے ہیں ہم؟
جگنوؤں کو راستہ تو یاد ہونا چاہیے

راستہ ایک ہی ہے وہ بلاامتیاز عمل اور خلاف ورزی کی صورت میں مجرم کو بلاتفریق سزا۔ بے عملی کے اندھیروں میں منزل کا حصول کبھی ممکن نہیں ہوتا۔

(بشکریہ روزنامہ اسلام)

دعائے مغفرت کی درخواست

- وہاڑی کے ملتزم رفیق تنظیم عبدالحق کی والدہ محترمہ بقضائے الٰہی وفات پاگئیں
- تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب کے منفرد رفیق ڈاکٹر محمد رمضان وفات پاگئے
- تنظیم اسلامی ملتان شمالی کے رفیق چودھری محمد شفیع (DSP) کی اہلیہ وفات پاگئیں
- تنظیم اسلامی ملتان کینٹ کے رفیق فیصل قریشی کی خالہ وفات پاگئیں
- قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی کے سٹاف ممبر فرخ کے والد انتقال کر گئے
- تنظیم اسلامی کراچی جنوبی کے ملتزم رفیق شکیل احمد کے والد وفات پاگئے
- تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شرقی کے منفرد اسرہ تھمن والی کے رفیق محبت علی وفات پاگئے
- حلقہ پنجاب شرقی ہارون آباد کے رفیق (سابق امیر حلقہ بہاولنگر و بہاولپور) محمد منیر احمد کی والدہ وفات پاگئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین و رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔ اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتك وحاسبھم حسابًا یسیرًا

ضرورت رشتہ

☆ جھنگ میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم ایم اے اکنامکس، صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل نوجوان کا مناسب رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔
برائے رابطہ: ملک محمد اقبال 0333-6753997

☆ لاہور میں رہائش پذیر آرائیں فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم ایم فل، قد "5'4" خوبصورت وسیرت کے لیے لیکچرار یا انجینئر لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0323-4950265 / 042-35151062

☆ کشمیری فیملی کو اپنے وجیہہ صورت بیٹے، عمر 29 سال، اٹھارہویں گریڈ کے سرکاری ملازم کے لیے دینی مزاج کی حامل خاندان کی خوب سیرت وصورت (ترجیحاً لیڈی ڈاکٹر) کا رشتہ درکار ہے۔ والدین رجوع کریں۔
برائے رابطہ: 0321-4447534 / 0321-8439346

النصر لیب
An ISO 9001:2008 QMS Certified Lab.

ایک ہی چھت کے نیچے معیاری ٹیسٹ، ڈیجیٹل ایکسرے، ای سی جی اور الٹراساؤنڈ کی جدید اقسام، کلر ڈاپلر، 4-D، T.V.S، ایکوکارڈیوگرافی، Lungs Function Tests اور Digital Dental (OPG) X-Ray کی سہولیات

ہیپاٹائٹس بی اور سی کے بڑھتے ہوئے امراض کے پیش نظر عوام الناس کے لیے کم قیمت میں ٹیسٹ کروانے کی سہولت

خواتین کے لیے لیڈی الٹراسونولوجسٹ کی سہولت مہیا کر دی گئی ہے۔

خصوصی پیشکش

الٹراساؤنڈ (پیٹ)، ایکسرے (چیسٹ) ای سی جی، ہیپاٹائٹس بی اور سی کے ٹیسٹ (Elisa Method)، مکمل بلڈ، اور مکمل یورن، بلڈ گروپ، بلڈ شوگر، جگر، گردے، دل اور جوڑوں سے متعلقہ متعدد بلڈ ٹیسٹ شامل ہیں۔

صرف -/3500 روپے میں

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔ نوٹ لیب اتوار اور عام تعطیلات پر کھلی رہتی ہے

950-B فیصل ٹاؤن، مولانا شوکت علی روڈ نزد راوی ریسٹورنٹ لاہور
Ph: 3 516 39 24, 3 517 00 77 Fax: 3 516 21 85
Mob: 0300-8400944, 0301-8413933 E-mail: info@alnasarlab.com

تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کا سہ ماہی اجتماع

تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کا سہ ماہی اجتماع 15 اکتوبر 2011ء جامع مسجد ابوبکر صدیقؓ سعد اللہ جان کالونی پشاور میں منعقد ہوا۔ نماز عصر تا نماز مغرب رفقاء کا تعارفی سیشن تھا۔ تعارفی سیشن کو ناظم اجتماع انجینئر طارق خورشید نے کنڈکٹ کیا اور تمہیدی گفتگو کی اور سہ ماہی اجتماع کی غرض وغایت اور اہداف کو واضح کیا۔ نماز مغرب کے بعد انجینئر طارق خورشید ہی نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کا درس دیا۔ انہوں نے رکوع کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ رکوع کے پہلے حصے میں بنی نوع انسان کو خطاب کیا گیا ہے جبکہ دوسرے حصے میں اہل ایمان سے خطاب ہے اور انہیں ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ بعد نماز عشاء نقیب اُسرہ تنظیم اسلامی نوشہرہ قاضی فضل حکیم نے ''توبہ اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹیں'' کے موضوع پر بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ توبہ کی اہمیت، ضرورت اور فضیلت سے سب واقف ہیں لیکن نفس ہمیں بہکاتا ہے اور ہم توبہ نہیں کرتے اور ہماری طبیعت ادھر کو نہیں آتی۔ انہوں نے توبہ کی اہمیت کو واضح کیا۔ اس دفعہ سہ ماہی اجتماع میں ایک خصوصی پروگرام یہ رکھا گیا تھا کہ تلاوت میں ''لحن جلی'' کی نشاندہی کے لیے حاضر تمام رفقاء سے ایک ایک رکوع کی تلاوت کروائی گئی، تاکہ تجوید کے حوالے سے رفقاء کی اصلاح ہو سکے۔ بعد ازاں رات کا کھانا اور آرام کا وقفہ ہوا۔ نماز فجر کے بعد تنظیم اسلامی نوشہرہ کے ناظم دعوت وتربیت نصر اللہ نے سورۃ الصف کی آخری آیت کا درس دیا اور احیائے دین کی جدوجہد اور اس کے لیے ''من انصاری الی اللہ'' کے حوالے سے اجتماعیت کی اہمیت کو واضح کیا۔ درس کے بعد ناشتہ و آرام کا وقفہ ہوا۔ وقفہ کے بعد تنظیم اسلامی پشاور شمالی کے معتمد قاری محمد فیاض نے ''سلام'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے موضوع کی مناسبت سے سورۃ النساء کی آیت نمبر 86 اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ''سلام'' کی اہمیت واضح کی اور کہا کہ یہ مسلمانوں کا شعار ہے اور اس سے دلوں میں محبت بڑھتی ہے۔ بعد ازاں تنظیم اسلامی پشاور صدر کے ناظم دعوت وتربیت میاں عامر معین نے ''ہم اجتماعیت کو کیسے تباہ کر سکتے ہیں'' کے موضوع پر مذاکرہ کروایا۔ مذاکرہ کے بعد واہ کینٹ سے آئے ہوئے رفیق جناب شفاء اللہ نے ''اطاعت امیر کی روح'' پر لیکچر دیا اور سورۃ النور کی آیت نمبر 62 کی روشنی میں واضح کیا کہ انفرادی امور پر اجتماعی کام کو ترجیح دینی چاہیے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ صرف ظاہری اطاعت کا قالب مطلوب نہیں بلکہ اطاعت اپنی روح کے ساتھ اور پوری طرح دلی آمادگی اور انبساط کے ساتھ ہونی چاہیے۔ چائے کے وقفے کے بعد جناب شفاء اللہ نے سالانہ اجتماع کے حوالے سے گفتگو کی اور رفقاء کو اس کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ کسی بھی ہیئت اجتماعی کے لیے سالانہ اجتماع انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، جس میں اہداف ومقاصد، طریق کار اور کام کرنے کے لیے کارکنان جذبۂ تازہ حاصل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ساتھیوں سے ملاقات کا موقع ملتا ہے اور کام کے بارے میں آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد بانی محترم کا جیوٹی وی کا پروگرام ''جوابدہ'' پروجیکٹر کے ذریعے دکھایا گیا۔ آخری لیکچر ناظم حلقہ جناب خورشید انجم نے ''داعی حق کے اوصاف'' کے موضوع پر دیا۔ انہوں نے کہا کہ غلامی اور بندگی کے لیے اخلاص شرط ہے۔ توکل کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دین اور تنظیم کے لیے اپنا پورا علم، صلاحیت، عقل اور ہر قسم کی تدابیر اختیار کی جائیں البتہ نتائج کے بارے میں صرف اللہ پر توکل کیا جائے۔ توکل کے لیے صبر کی صفت ناگزیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ کام کے ساتھ دعا کا التزام کیا جائے اور اطاعت نظم اس کی روح کے ساتھ ہو۔ انہوں نے کہا کہ نیکی اور بدی کے پیمانوں کا الٹ پلٹ جانا فساد کا سبب ہے۔ ہمیں اپنی ترجیحات کا تعین کرنا چاہیے اور اور ان سب صفات کو تروتازہ رکھنے کے لیے اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ پروگرام کے آخر میں امیر حلقہ میجر (ر) فتح محمد نے اختتامی کلمات کہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں غیر حاضر رفقاء کے بارے میں کسی سوءظن کا شکار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کی خیریت معلوم کریں کہ وہ کیوں نہیں آسکے۔ انہوں نے پروگراموں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ الحمد للہ تمام پروگرام بھرپور تھے اور بروقت ہوئے۔ یہ پروگرام تقریباً 12 بجے اختتام پذیر ہوا۔ پروگرام میں مجموعی طور پر 69 رفقاء نے شرکت کی۔ (مرتب: جاں نثار اختر)

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ

''مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور'' میں

ملتزم تربیتی کورس

4 دسمبر تا 10 دسمبر 2011ء

(بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

کا انعقاد ہو رہا ہے۔

زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں،
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: **مرکزی شعبہ تربیت**

برائے رابطہ: 0333-4311226 (042)36316638-36366638

دسمبر کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا حُدی خواں
تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ **میثاق** لاہور

اجرائے ثانی:— ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

- نیا چہرہ! ..... حافظ عاکف سعید
- حکمت — فہم قرآن کا سرچشمہ ..... عتیق الرحمٰن صدیقی
- مکاتیب نبویؐ کی دریافت ..... حافظ محمد زاہد
- اصلاحِ رسوم ..... حافظ محمد زبیر
- مولانا وحید الدین خان کی بے خبری یا تجاہل عارفانہ ..... مفتی محمد سعید خان
- مسلمان بمقابلہ گزشتہ اقوام — اور — فریادِ انسان ..... سید اویس ہاشمی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ''بیان القرآن'' تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے

☆ صفحات: 96 ☆ قیمت: 25 روپے ☆ سالانہ زرتعاون (اندرون ملک) 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 3-042-35869501، email:maktaba@tanzeem.org

since the demise of the Soviet Union. NATO was living in a desert after the end of the Cold War, reinventing itself by becoming a frontline war machine against the Muslims around the world. The weapon industry of the USA has now reinvented a much larger market. It recently signed a contract with the Saudis to sell arms worth $60 billion! Imagine what that amount of money can do for the whole African continent!

The only hurdle against the new western hegemonic designs for the Muslim world is Iran; its rulers are neither beholden to IMF nor to Washington for their positions. Since 1979, Iran has successfully pursued a policy of defiance and it has remained fiercely independent. That is why it is now in the frontline for the next western aggression.

The only way to attack Iran is through a fabricated deception, which takes its nuclear ambitions as the point of departure. Iran denies reports about developing nuclear weapons whenever they surface, but isn't it amazing that no one, not even the Iranian leadership, asks the basic question: Is there any logical or moral reason that only a handful of western countries can possess the most lethal weapons human beings have ever invented? Who gave them this "right" and why are others denied the same?

(*Courtesy: daily "The News"*)

معمارِ پاکستان نے کہا

''مسلمانوں کو ایک فرد واحد کی طرح رکھنے والی چیز کیا ہے؟ وہ کون سی چٹان اور کون سا لنگر ہے؟ وہ اسلام ہے، عظیم کتاب قرآن مجید ہے۔ یہ مسلم انڈیا کے جہاز کا لنگر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جوں جوں آگے بڑھیں گے ہماری وحدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوتا جائے گا۔

(دسمبر 1943ء میں مسلم لیگ کے اجلاس
کراچی کے اختتام پر قائداعظم کا پیغام)

تبصرہ کتب

نام کتاب: اٹلس قرآن انبیاء ورسل علیہم السلام (دو جلدیں)

مرتب: انجینئر عبدالحکیم ملک

ملنے کا پتہ: اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، گلوبل
26 ویسٹرن فورٹ، کینال ویو، قاسم بیلہ، ملتان کینٹ
ای میل: info.irfg@gmail.com
فون: 0300-9630882, 0321-6862303

تعارف وتبصرہ: حافظ عاکف سعید
امیر تنظیم اسلامی

قرآن حکیم بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو کل کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ الحی اور القیوم بھی ہے، علیٰ کل شی قدیر بھی ہے اور بکل شی علیم بھی۔ کتاب مبین کی صورت میں اس معجزنما کلام کا نزول اصلاً انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہوا۔ لیکن جس طرح رب کائنات کی ذات ہمہ صفات ہے اور اُن صفات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، اسی طرح کلام اللہ ہمہ صفت بھی ہے اور ہمہ جہت بھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے کہ ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن　　تقاصر عنہ افہام الرجال

اپنے مقصدِ نزول کے لحاظ سے چونکہ یہ ھدی للناس ہے، لہٰذا ہدایت کا پہلو بہت واضح اور مفصل بھی ہے اور بہت نمایاں اور ظاہر بھی۔ تاہم، دیگر علوم مثلاً تاریخ، جغرافیہ، فلکیات، ارضیات، قوانین طبیعیہ، حیاتیات اور تخلیق جسدِ آدم کی مادی تعبیر وغیرہم کے ضمن میں بھی ایسے اشارات قرآن میں ملتے ہیں جو ان اہم مضامین میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہر دور میں اہل علم متفرق پہلوؤں اور نت نئے زاویوں سے کتاب مبین اور فرقان حمید کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ قرآنی موضوعات میں جغرافیہ ایک نہایت ہی اہم موضوع ہے، جو اقوامِ سابق کے عبرت ناک انجام کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن گلوبل، کینیڈا کے منتظم اعلیٰ جناب انجینئر عبدالحکیم ملک صاحب نے اس موضوع پر دو جلدوں میں ایک نہایت ہی مستند، معیاری، مزین اور جدید سائنٹفک انداز میں ایک اٹلس مرتب کیا ہے جو اُن کی دس سالہ محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ جناب عبدالحکیم صاحب نے اپنے اس اٹلس میں قرآن مجید کے تاریخی جغرافیائی حقائق کی تشریحات و توضیحات کو قدیم و جدید تصاویر، نقشہ و خاکہ جات، دستاویزات، شواہد آثار قدیمہ اور بین المذہبی عقائد کے تناظر میں بیان کیا ہے۔

بلاشبہ یہ اردو انگریزی اٹلس قرآن ہر خاص و عام کے لائق مطالعہ اور لائبریری کی زینت ہے۔ اس کی ورق گردانی سے نہ صرف تاریخ رسل و انبیاء اور جغرافیہ قرآن کے بارے میں معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا ہے بلکہ یہ تاریخ اسلام کے بارے میں بھی معیاری اور مستند معلومات کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔ یہ اٹلس حسن طباعت اور ذوق جمال و احساس کا بھی ایک خوب صورت نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ عبدالحکیم صاحب کو ان کی اس جدوجہد پر اجر عظیم عطا فرمائیں!

Dr Muzaffar Iqbal

MUSLIM RULERS

They have been so terrorized by the interminable war of terror that began in October 2001 that now they have utterly lost their self-respect. They sit on thrones made of gold and sit on silk carpets, but they are utterly devoid of strength as the Quran has described them:

> "When you see them, their bodies please you, and when they speak, you are inclined to listen to what they say; but they are as if beams of timber propped up." (*Al-Munafiqun*; 63:4)
>
> "The disease of the hypocrites is said to inhere in their hearts." (*Al-Baqarah*; 2:10)

And if the heart is diseased, the entire body is unsound, as a Prophetic hadith states: "Verily! In the body there is a piece of flesh; if it is sound, the whole body is sound, and if it is corrupted, the whole body is corrupted; verily! It is the heart." And they are the custodians of billions of dollars of public money which they spend on buying useless arms from their masters, on personal jets, on women, palaces and commodities which we cannot even imagine.

In addition, they preside over utterly dysfunctional bodies: OIC, the Arab League, ISSESCO, COMSTECH etc. They fabricated these useless bodies in the era of the great oil rush to deflate the rise of Islamic consciousness in the Muslim world. And they have succeeded in taking the wind out of the euphoric hope of the 1970s, when a passing wind of vigour, hope, and awakening emerged in the Muslim world at the dawn of the fifteenth century after Hjira.

Now, they have taken their masks off; the post-9/11 era has emboldened them so that they are openly propagating a version of Islam which has been fabricated in the board rooms of western capitals, through a multi-million dollar project aimed at transforming the life of Muslims from within. From the heart of the contemporary world of Islam to its outermost boundaries, there is hardly a country where one does not see these despotic rulers who have no concern for anything but their own thrones and presidential palaces.

In addition, whole battalions of "intellectuals" are busy like bees to deconstruct Islam. One day, they write against Sharia, the next day, they are concerned about human rights, and the rest of the western agenda to transform the Muslim world. They are blind to the aggression which is desecrating the Islamic way of life; they see no problem in joining hands with Tony Blair and Co. in search of a common word.

The Common Word initiative, shamelessly premised on part of a verse from the Glorious Quran, is spending millions of dollars to establish a "dialogue" among civilizations, but it utterly disregards the historic reality of that verse, its occasion of revelation and the threat it contains for those who were invited with a common word. In fact, those who have fabricated these forums to converse with their sweet tongues live in constant fear of the day when they will receive a phone call from the White House. Can there be anything more ludicrous than the potentates of Gulf countries telling the Syrian president to reform!

The worst thing about these rulers is that they are sitting on their thrones and presidential chairs at a time when the United States of America and its European partners are busy in recasting the old colonial net around the entire Muslim world. Their direct military interventions of the past few years, including those in Afghanistan, Iraq, and Libya are not haphazard, accidental aggressions; they are part of a grand plan to reconstruct the map of the Muslim world. This is needed not only to secure future oil supplies, but also to destroy the remaining possibilities of a Muslim reawakening.

The new push did not come into existence on September 11, 2001; it has been in the making